إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ

البتہ جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کئے۔ اُنکے لیے آخرت میں بڑا اجر ہے جو کبھی موقوف ہونیوالا نہیں

(قرآن مجید۔ حم۔ سجدہ۔ آیت ۸)

حیاتِ ابدی

یعنی

حالات زندگی جناب خواجہ غلام عباس مرحوم انصاری ایوبی پانی پتی

مرتبہ

فرزند اکبر جناب مغفور مولوی غلام الحسنین صاحب

از طرف دفتر عصر جدید شایع شد

مطبوعہ جی نرائن پریس خیالی گنج لکھنؤ

قیمت /۵

دیباچہ مؤلف

یہ مقولہ بالکل صحیح ہے "قَصَصُ الْاَوَّلِیْنَ مَوَاعِظُ لِلْاٰخِرِیْنَ" یعنے اگلوں کے قصے پچھلوں کے لیئے نصیحت ہوتی ہیں۔ اگر اسلاف کے اصلی واقعات مناسب طور پر قلمبند کیئے جائیں تو وہ اخلاف کے لیئے ضرور ہدایت اور بصیرت کا موجب ہوں گے۔

خواجہ غلام عباس مرحوم مشاہیر عالم میں سے نہ تھے۔ وہ نامی گرامی رئیس یا مشہور و معروف عالم نہ تھے۔ بلکہ ایک معمولی زمیندار تھے۔ مگر از بسکہ اُنکی زندگی راستی۔ جفاکشی۔ سادگی اور پارسائی وغیرہ اوصاف کا ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے۔ اور ان ہی اوصاف کی آجکل قوم کو ضرورت ہے۔ اسلیئے اُنکے حالات زندگی قلمبند کرنا قوم کے لیئے ضرور فائدہ مند ہوگا اور امید ہے کہ اس رسالہ کو پڑھکر بہت لوگ نصیحت اور ہدایت حاصل کرینگے۔

جن لوگوں کو شاہان سلف کے کارناموں یا جھوٹے ناولوں اور افسانوں کی چاٹ لگی ہوئی ہے وہ شاید ان سیدھے سادے بےنمکے پھیکے اور سچے واقعات کو پڑھکر یوں اُٹھیں کہ ان میں ایسی کونسی انوکھی بات ہے جسکو پبلک کے روبرو خاص طور پر پیش کرنے کی ضرورت تھی میں ایسے صاحبوں کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ فی الحقیقت اس سوانح عمری میں کوئی واقعہ ایسا نہیں جسکی نسبت کہا جا سکے لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ (نہ کسی آنکھ نے دیکھا۔ نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی شخص کے دل میں گذرا) بلکہ یہ تمام واقعات معمولی ہیں مگر ان ہی معمولی باتوں میں جنکو بدقسمتی سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے انسانی بہبودی کا راز چھپا ہوا ہے ؎ ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ ؎ اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است ؎ ان حالات کی کوئی یادداشت پہلے سے لکھی ہوئی موجود نہ تھی۔ تمام واقعات مینے اپنے حافظہ سے لکھے ہیں گذشتہ پچیس سال کے حالات تو زیادہ تر میرے چشم دید ہیں۔ اور اس کتاب کا اکثر حصہ اسی زمانہ کے واقعات پر مبنی ہے۔ باقیماندہ حالات خود والد مرحوم کی زبانی سنتے ہوئے ہیں۔ اُنکی عادت تھی کہ اپنے حالات وقتاً فوقتاً بسبیل تذکرہ بیان فرمایا کرتے تھے اور چونکہ مجھے اُنکی خدمت میں حاضر رہنے کا زیادہ موقع ملا ہے اسلیئے بہت سے واقعات میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ تاہم جس واقعہ کے متعلق بھی کوئی شبہ پیش آیا ہے اسکی تحقیق انکے نوشتے کر لی ہے جسکا [illegible] مذکورہ سے تعلق تھا وہ مختصر ہوئی ایسا واقعہ درج نہیں کیا گیا جسکی صحت کی بابت پورا اطمینان نہیں کر لیا گیا۔ اگر والد مرحوم کے اخلاق و خصائل کے تمام واقعات کو اُنکی زندگی میں قلمبند کر لیا جاتا تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی تھی۔ مگر اُنکی زندگی میں کبھی ایسا خیال نہیں آیا اور نہ یہی معلوم تھا کہ اُنکی مفارقت کا وقت اس قدر قریب آ پہونچا ہے۔ افسوس ہے کہ مینے جو واقعات کو بھی بے ترتیبی و پریشانی کی وجہ سے اچھی طرح ترتیب نہ دے سکا میری عمر دو حالات کے لحاظ سے جو کچھ لکھا گیا وہ بھی بسا غنیمت ہے۔ آخر میں ناظرین سے التماس ہے کہ والد مرحوم [illegible] دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔

احقر الناس غلام حسنین۔

حالات خواجہ غلام عباس مرحوم

سلسلۂ نسب اور ابتدائی حالات

نام و نسب اور خاندان

میرے والد خواجہ غلام عباس ولد خواجہ اظہر علی مرحوم قوم انصار سے تھے۔ ہمارا سلسلۂ نسب حضرت ابو ایوب انصاری (رضی اللہ عنہٗ) تک پہونچتا ہے۔ جو ایک مشہور و معروف صحابی گذرے ہیں۔ جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے ہموطنوں کے ظلم وستم سے مکہ چھوڑنا پڑا۔ اور مدینہ کی مستقل سکونت آپنے اختیار فرمائی۔ اسوقت سے اہل مدینہ جو آپ کے حامی و مددگار رہے۔ "انصار" (حامیان دین) کے معزز لقب سے ملقب ہوئے۔ انصار رسول اللہ کے گروہ میں شامل ہونے کے علاوہ حضرت ابو ایوب کو ایک خاص شرف یہ بھی حاصل ہے کہ جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) مدینہ میں تشریف لائے تو ایک مدت تک ابو ایوب کے مکان میں فروکش رہے۔ اسوجہ سے اُنکا لقب "صاحب رحل" بھی ہے حضرت (ابو ایوب جناب امیرؑ کے وقت میں مدینہ کے گورنر بھی رہے اور صفین و نہروان میں کارنمایاں ادن سے ظہور میں آئے اور اونکا مزار قسطنطنیہ مین مشہور زیارتگاہ ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ابو ایوب کے خاندان کے بعض لوگ ایران میں آکر آباد ہو گئے تھے شاہ ابو اسحق انجو جو سلاطین فارس میں سے گذرے ہیں اور حضرت خواجہ حافظ شیرازی کے ممدوح ہیں۔ اسی خاندان سے تھے۔ اونکی شان میں خواجہ حافظ۔ کا ایک مشہور شعر یہ ہے اور دراصل اس خاندان میں سلطنت بہت کم رہی۔

راستی خاتمِ فیروزۂ بو اسحٰقی — خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

ایوبی انصار کے خاندان میں علم کا شوق رہا ہے۔ اکثر اہل کمال وصوفی اس خاندان میں گذرے ہیں۔ ازانجملہ حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری المعروف بہ پیر ہرات جنکا نام نامی ہندوستان کے اہل علم میں عموماً مشہور ہے اور افغانستان۔ خراسان اور ایران میں

بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ اسی خاندان کے ایک سربرآوردہ بزرگ ہوئے ہیں۔ خواجہ موصوف کی متعدد تصانیف اخلاق و تصوف میں اب تک موجود ہیں۔ اور اہل تصوف کی سرمایہ نازش ہیں۔

خواجہ ملک علی کا ہندوستان آنا اور غیاث الدین بلبن کی قدردانی۔

خواجہ عبداللہ انصاری کی اولاد میں سے ایک بزرگ خواجہ ملک علی علم و فضل اور زہد و اتقا کے اعتبار سے اپنے زمانہ میں ممتاز تھے ۱۲۸۷ء کے قریب اپنے وطن مالوف یعنی شیراز کو چھوڑ کر ہندوستان چلے آئے تھے۔ کیونکہ طوائف الملوکی نے سلطنت ضایع کردی تھی۔ اسوقت غیاث الدین بلبن تخت دھلی پر متمکن تھا اُسکا دربار علما و فضلا کی قدردانی کیوجہ سے مشہور رہا۔ اسلیئے اکثر اہل کمال دُور و دراز کے ملکوں سے آکر دہلی میں جمع ہوگئے تھے خواجہ ملک علی اِن مشہور لوگوں میں تھے۔ اس زمانہ میں حضرت امیر خسرو دہلوی جو غیاث الدین بلبن کے بیٹے شاہزادہ محمد کے اتالیق رہ چکے تھے۔ دربار شاہی کے رُکن تھے۔ بلبن نے اپنی قدردانی اور فیاضی کا ثبوت اس طرح دیا کہ قصبۂ پانی پت کے کُل رقبہ کی ایک چوتھائی بطور معافی دوامی کے خواجہ ملک علی کو عطا کی۔ اور فرمان شاہی میں اس امر کی صراحت کردی گئی کہ یہ معافی خواجہ ملک علی کی اولاد کے لیئے نسلاً بعد نسلٍ قائم رہے اور جب تک خواجہ موصوف کی نسل سے کوئی مُتنفس زندہ رہے اُسوقت تک علی حالہ بحال رہے۔ اگرچہ آج تک سلطنت دہلی میں بڑے بڑے انقلاب پیش آئے۔ مگر یہ معافی بدستور قائم رہی۔ اور اب عہد سرکار انگلشیہ میں بھی اُسی طرح قائم ہے۔

خواجہ اظہر علی اور خواجہ اکبر علی کا مختصر حال

خواجہ غلام عباس مرحوم کے والد خواجہ اظہر علی مرحوم کے انتقال کو تقریباً تینتیس ۳۳ سال کا عرصہ ہوا ہے اونکے دیکھنے والے اب تک ہزاروں آدمی موجود ہیں۔ یہ بات مشہور ہے کہ وہ ایک لیڈر۔ بارعب۔ فیاض اور کھرے آدمی تھے۔ سلطنت اودھ میں عہدہ تحصیلداری وغیرہ پر مامور رہے تھے۔ اونکے والد یعنی میرے والد مرحوم کے دادا خواجہ اکبر علی بھی ایک بہادر سپاہی منش اور ذی اثر آدمی تھے۔ اور اپنی فیاضی اور راستبازی کی وجہ سے مشہور تھے *

خواجہ غلام عباس کی ولادت

خواجہ غلام عباس کی ولادت ۱۸۴۱ء کے قریب واقع ہوئی

اونکی جسمانی صحت اور قوئے بچپن ہی سے نہایت عمدہ تھے - بغیر کسی قسم کی ورزش کے اُن کا اُٹھان اور ڈیل ڈول اس قسم کا تھا کہ دس بارہ برس کی عمر میں لوگ اونکو پندرہ سولہ برس کا سمجھتے تھے - والد مرحوم کہا کرتے تھے کوئی شخص میری والدہ سے میری عمر پوچھتا تھا تو اس خیال سے کہ مجھے نظر نہ لگ جائے اصلی عمر سے کچھ زیادہ بتا دیتی تھیں - والد مرحوم اپنی غیر معمولی طاقت کی وجہ سے سخت سے سخت محنت برداشت کرسکتے تھے - اور شہر کے بہت کم آدمی جسمانی قوت میں اُنکا مقابلہ کرسکتے تھے - والد مرحوم کا حلیہ یہ تھا - متناسب الاعضا - قوی ہیکل - قد پورا - ہاتھ پاؤں چوڑے چکلے - کشادہ پیشانی - دراز بینی - چہرہ نورانی - خط بھرا ہوا - بدن پر گھندار بال - رنگ گندمی اور کسی قدر سانولا - بدن میں خون کی سُرخی جھلکتی ہوئی - رفتار آہستہ - مگر ضرورت کیوقت تیز آواز قدرتی طور پر بلند مگر معمولی گفتگو میں نرم - تقریر سنجیدہ اور نہایت سلجھی ہوئی - بشرے سے ہیبت وجلال نمایاں شکل سے متانت ووقار ہویدا *

سفر کربلائے معلیٰ

سنہ ۵۳ء سے پہلے جبکہ اس ملک میں ریل - تار برقی - دُخانی جہاز وغیرہ نہ تھے خشکی اور تری کا سفر سخت دشوار تھا - اسی زمانہ میں والد مرحوم کو اپنے والدین اور دیگر اقارب کے ہمراہ کربلائے معلیٰ ودیگر عتبات عالیات کی کے لیئے جانیکا اتفاق ہوا اسوقت اونکی عمر تخمیناً گیارہ سال کی تھی - اس سفر میں ایکسال سے زیادہ صرف ہوا - والد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ سفر کربلا سے واپس آتے وقت ہمنے بمبئی کے قریب ریل کی سڑک بنتے دیکھی تھی - اس سفر سے والد مرحوم کو فارسی گفتگو میں بہت عمدہ مہارت پیدا ہوگئی تھی - اور اُن کا فارسی لب ولہجہ مثل اہل زبان کے معلوم ہوتا تھا -

تعلیم وتربیت

قرآن مجید اور فارسی وحساب کی تعلیم

عام دستور کے موافق والد مرحوم کو بچپن ہی میں قرآن شریف شروع کرایا گیا تھا - اور اسی زمانہ کے قریب مولوی سید امیر علی مرحوم سے فارسی کی تعلیم شروع ہوگئی تھی - مولوی صاحب موصوف کا مکتب محلہ راجپوتاں میں واقع تھا جو ہمارے محلہ انصار سے بہت فاصلہ پر ہے اس لیئے والد مرحوم کی والدہ بوجہ محبت مادری کے

ان کو صرف ایک وقت مکتب میں بھیجتی تھیں۔ حساب کی تعلیم میر باقر علی مرحوم سے حاصل کی تھی۔ میر صاحب موصوف کی طبیعت کو ریاضی سے نہایت اعلیٰ درجہ کی مناسبت تھی اور انھوں نے حساب اقلیدس جبر و مقابلہ وغیرہ مضامین صرف ذاتی مطالعہ سے ایسی عمدہ لیاقت پیدا کرلی تھی کہ بڑے بڑے ریاضی داں جنھوں نے سالہا سال کالجوں میں تعلیم پائی تھی اون کی قابلیت کو تسلیم کرتے تھے میر صاحب والد مرحوم کے عزیز تھے اور اُن کو نہایت محبت سے پڑھاتے تھے۔ اگر کسی روز والد مرحوم کو اونکی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق نہ ہوتا تو خود مکان پر تشریف لاتے اور سبق پڑھا جاتے۔

عربی کی تعلیم اور دینیات کی وسیع واقفیت

فارسی میں معمولی استعداد پیدا کرنے کے بعد جناب مولوی حاجی خواجہ ابراہیم حسین مرحوم سے عربی اور دینیات پڑھنا شروع کیا۔ والد مرحوم کو ایک عرصہ دراز تک مولوی صاحب قبلہ کی خدمت میں رہنے کا اتفاق ہوا تھا اور اگرچہ اُنھوں نے عربی میں معمولی صرف و نحو سے زیادہ تعلیم نہیں پائی تھی۔ تاہم اونکی مذہبی واقفیت ایسی وسیع تھی اور دینی مسائل اسقدر مستحضر تھے۔ کہ اکثر فارغ التحصیل مولوی کو بھی جو کتابی تعلیم پر دار و مدار رکھتے ہیں۔ وہ بات حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس وسیع واقفیت کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اونکو بہت مدت تک مولوی صاحب موصوف کے پاس رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اور ہر وقت اونکے فیض سے مستفید ہوتے تھے دوسری وجہ یہ تھی کہ قدرت نے اونکو عمدہ حافظہ عطا کیا تھا مجالس وعظ وغیرہ میں جو باتیں سنتے اونکو ذہن میں محفوظ رکھتے۔ اسکے علاوہ بچپن ہی سے اونکی والدہ اس بات کی تاکید رکھتی تھیں کہ جو وعظ وغیرہ سنو اُسکا خلاصہ مطلب مجھے آکر سنا دیا کرو۔ جب تک اونکی والدہ زندہ رہیں والد مرحوم ہمیشہ اونکو وعظ وغیرہ کا خلاصہ سناتے رہے۔ قطع نظر ان وجوہات کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو کہ باوجود ایسے مشاغل کے جن میں پھنس کر لوگ کتاب کو بالائے طاق رکھدیتے ہیں۔ والد مرحوم کو قرآن شریف اور مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے خاص دلچسپی تھی۔ اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ کھیت پر جا رہے اور کتاب ساتھ ہے۔ وہ قرآن شریف اچھی طرح سمجھ لیتے تھے اور اُس پر اسقدر عبور تھا کہ اثنائے گفتگو میں موقع و محل کے موافق آیات قرآنی بے تکلف پڑھ دیتے تھے جس سے لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔

دینیات کی ایسی واقفیت کی وجہ سے ابتدا میں لوگ والد مرحوم کو "مولوی صاحب" کہنے لگے تھے مگر وہ اپنے تئیں اس لقب کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے نہایت منت سماجت کر کے بمشکل لوگوں سے یہ لفظ ترک کرایا تھا۔

انشا کی لیاقت

کسی قسم کی دستاویز یا مضمون کے لکھنے کی ضرورت پیش آتی تو والد مرحوم بے تکلف لکھ دیتے یا لکھا دیتے تھے۔ زمانہ طفولیت میں کچھ عرصہ تک اونکو اپنے ماموں خواجہ امجد علی مرحوم کے پاس لاہور رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ یہاں اونھوں نے ایک پنجابی مولوی (غالباً مولوی چراغ دین) صاحب سے فارسی درسیات کے علاوہ مضمون نگاری اور انشا پردازی کی مشق حاصل کی تھی۔ مضمون نویسی پنجابی میں "حقیقت لکھنا" کہتے تھے والد مرحوم ذکر کیا کرتے تھے کہ جب کبھی اُستاد کسی مضمون کو فارسی میں لکھنے کا حکم دیتے تو میں بہت جلد لکھکر دکھا دیتا۔ اور میرے ہم مکتب دیر لگاتے تو استاد مرحوم کہا کرتے "دیکھو! یہ ہندستانی منڈا (لڑکا) بہت جلد لکھ لیتا ہے۔ تم کیوں اتنی دیر لگاتے ہو" اِس زمانہ میں فارسی تحریر کا رواج تھا۔ اسلیئے والد مرحوم فارسی خط اچھی طرح لکھ پڑھ سکتے تھے۔ مگر اردو عبارت نہ لکھ سکتے تھے نہ پڑھ سکتے تھے۔ اُردو نوشت وخواند کی مہارت اُونھوں نے بعد میں حاصل کی تھی۔

قدیم طریقہ تعلیم کے نقص

قدیم طریقہ تعلیم میں جو نقص تھے۔ اونکو والد مرحوم خوب سمجھتے تھے اور یہ کہا کرتے تھے کہ حروف تہجی سکھانے کے بعد اُستاد بچوں کے آگے کریما۔ رکھ دیتے تھے۔ بچوں کو نہ تو اعراب وحرکات کا تصور ہوتا تھا اور نہ حروف مرکب کا جسوقت اُستاد ہمکو پڑھاتا تھا کہ "دیکھو یہ کاف ہے یہ رے ہے۔ یہ یے کا سرا ہے یہ میم کا شوشہ ہے۔ یہ آخر میں الف ہے" اُسوقت ہم کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا ہے۔ اشعار تو جوں توں کر کے گیت کی طرح حفظ کر لیتے تھے مگر حرفوں کی شناخت بہت عرصہ تک نہیں ہوئی۔

کرنل ہالرائڈ صاحب سے ملاقات اور مدرسہ تعلیم المعلمین دہلی میں داخل ہونا

والد مرحوم کی عمر سترہ سال کی تھی کہ کرنل ہالرائڈ صاحب بہادر جو اس زمانہ میں حلقہ دہلی کے انسپکٹر مدارس تھے۔ اور اور بعد میں مدت تک سررشتہ تعلیم پنجاب کے ڈائرکٹر رہے

اور چند سال سے پنشن لیکر ولایت چلے گئے ہیں ۔ بہ تقریب دورہ **پانی پت** میں وارد ہوئے
صاحب ممدوح کو مشرقی زبانوں میں عمدہ دستگاہ تھی ۔ جب کسی لکھے پڑھے آدمی سے ملاقات
ہوتی تو فارسی میں گفتگو کرتے ۔ اور اسطرح اوسکی علمی لیاقت کا امتحان کر لیتے ۔ صاحب موصوف
نے والد مرحوم کی بے تکلف گفتگو اور اونکے لب ولہجہ کو پسند کر کے دریافت کیا " آپ نے فارسی
زبان کہاں حاصل کی " اونھوں نے جواب دیا میں نے یہیں پڑھی ہے ۔ مگر بچپن میں کچھ عرصہ
تک سفر **عراق** میں اہل زبان سے بات چیت کا اتفاق ہوا ہے ۔ اسلیئے میں فارسی بے تکلف
بول سکتا ہوں " اسکے بعد **کرنل ہالرائڈ صاحب** کی رائے سے دہلی کے مدرسۂ تعلیم المعلمین
میں داخل ہو گئے اور امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد موضع **پٹی کلیانہ** کے مدرس
مقرر ہو گئے ۔ اس زمانہ شمس العلماء مولوی ضیاء الدین صاحب ۔ ال ال ۔ ڈی ۔ رئیس دہلی
مدرسہ تعلیم المعلمین کے مدرس تھے ۔ اس مدرسہ میں اکثر بڑی عمر کے لوگ داخل ہوا کرتے تھے
جو گھر پر فارسی عربی کی عمدہ تعلیم حاصل کر کے حساب وغیرہ سیکھنے کے لیئے داخل ہوتے تھے
خواجہ کریم الدین مرحوم پانی پتی بھی جو والد مرحوم سے عمر میں بہت بڑے تھے ۔ اونکے
ہم جماعت تھے ۔ اور اکثر بڑی عمر کے طالب علم داخل تھے ۔ ان لوگوں کو ریاضی سیکھنا دشوار
اور تاریخ وجغرافیہ تو یاد ہی نہیں ہوتا تھا ۔ سالانہ امتحان کے موقع پر **کپتان فلر صاحب**
ڈائرکٹر مدرسہ میں تشریف لائے ۔ تو خواجہ کریم الدین نے ڈائریکٹر صاحب سے عرض
کی ۔ حضور ! ہم لوگ فارسی وغیرہ اپنے گھر سے پڑھکر آئے ہیں ۔ حساب جو ایک ضروری
علم ہے ۔ اوسکے سیکھنے کے لیئے یہاں داخل ہوئے ہیں ۔ اب ہمکو تواریخ وجغرافیہ حفظ
کرایا جاتا ہے ۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں تمھاری نجات اسی پر موقوف ہے ۔ اگر حضور
حکم دیں تو کمترین ایک فرضی تواریخ ہند اور فرضی جغرافیہ تصنیف کر کے پیش کر سکتا ہے ۔
مگر اس عمر میں ہم سے کتابیں حفظ نہیں ہو سکتیں " ڈائرکٹر صاحب اس تقریر کو سنکر انگشت
بدنداں ہوئے ۔ اور اوستاد سے مخاطب ہو کر فرمایا " مولوی صاحب ! یہ لوگ لائق اور
سمجھ دار ہیں ۔ تاریخ وجغرافیہ خود پڑھ سکتے ہیں ۔ حفظ کرانیکی ضرورت نہیں ہے ۔ انکو اجنبی ناموں
اور غیر مانوس الفاظ کا تلفظ بتا دینا کافی ہے ۔ چنانچہ تاریخ وجغرافیہ کے امتحان میں صاحب موصوف نے

اسی امر کو مد نظر رکھا۔

حالات متعلقہ غدر

ایام غدر میں اہل دہلی کے ساتھ سلوک

والد مرحوم کی عمر سولہ[۱۶] سال کے قریب تھی کہ دہلی کا قیامت خیز واقعہ یعنے ۱۸۵۷ء کا غدر برپا ہوا۔ اس بلائے ناگہانی سے بچنے کے لئے دہلی کے اکثر باشندے زن و مرد پانی پت چلے آئے تھے۔ ان بیوطن اور بے خانماں مسافروں کی خاطر و مدارات اور دستگیری میں اہل پانی پت نے عموماً اور ہمارے محلہ کے لوگوں نے خصوصاً حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا یہاں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ دہلی کے ایک صاحب نے زیور و جواہر کی قسم سے کچھ مال سربند راقم کے دادا خواجہ اظہر علی مرحوم کے سپرد کر دیا تھا۔ جس کو اُنھوں نے بغیر کھولے اور شمار کیئے تہ خانہ میں مٹی کے ڈلوں کے نیچے رکھوا دیا تھا۔ جب دہلی میں امن و امان ہو گیا اور مالک امانت نے دادا مرحوم سے اپنا مال طلب کیا تو اُنھوں نے کہا جہاں رکھا تھا اُسی جگہ سے نکال لاؤ۔ مالک نے مال کو برامد کر کے شمار کیا تو اون کو ایک زیور کم معلوم ہوا۔ دادا مرحوم سے کہنے لگے "خواجہ صاحب! فلاں زیور موجود نہیں ہے" تو اُنھوں نے ناخوش ہو کر جواب دیا "میں نہیں جانتا تمھارا مال کیا تھا اور کتنا تھا؟ جہاں رکھا تھا وہیں تلاش کرو" اوسکے بعد جب زیور مل گیا تو مالک امانت نے نہایت شرمندہ ہو کر خواجہ اظہر علی مرحوم سے معذرت کی۔

پانی پت پر سرکار انگریزی کی فوج کشی اور خواجہ اظہر علی وغیرہ کی سعی سے شہر کو اماں ملنا

اگرچہ اہل پانی پت غدر کے زمانہ میں سرکار انگریزی کے خیر خواہ اور وفادار رہے۔ مگر باہر کے کسی جاہل ملا کے وعظ سے جو اوس نے درگاہ قلندر صاحب میں کیا تھا۔ شہر کے چند نافہم اراذل بزعم خود اسلام کی حمایت میں اُسی کے ساتھ ہو لئے۔ اور یہ ارادہ کیا کہ دہلی پہونچکر انگریزی فوج کا مقابلہ کریں۔ جب اس واقعہ کی خبر سرکار انگریزی کو پہونچی تو ایک توپخانہ ریاست جیند سے منگا کر قبرستان قنبر علی کے ٹیلے پر۔

جو متصل شہر واقع ہے توپیں چڑھادی گئیں۔ والد مرحوم فرماتے تھے کہ یہ دن عید کا تھا۔ ہم چند ہم عمر لڑکے اپنے باغ موسوم بہ **باغیچہ فضل علی خاں** میں پکواں پکار ہے تھے کہ اتنے میں فوج کے سپاہی نظر پڑے۔ ہم نے اونسے پوچھا "یہ کیا معاملہ ہے" تو اُنھوں نے کہا "بچو! تم یہاں سے چلے جاؤ۔ یہاں توپ چلیگی اور شہر اُڑا دیا جائیگا۔ تم اپنے بزرگوں کو خبر کردو۔ ہم دوڑکر بزرگوں کو اطلاع کرنے گئے تو میرے والد **خواجہ اظہر علی** مرحوم اور دیگر معززین نے وہاں پہونچکر سبب دریافت کیا تو سپاہیوں نے کہا پانی پت کے لوگ جہاد کے نام سے فساد پر آمادہ ہیں اسلیئے ہمکو حکم ہوا ہے کہ شہر کو اڑادیں **خواجہ اظہر علی** نے کہا ہم سب سرکار انگریزی کے خیر خواہ اور وفادار ہیں۔ بعض کمینے لوگ کسی ملّا کے اغوا سے آمادۂ فساد معلوم ہوتے ہیں۔ ہم ابھی جاکر اونکی جمعیت کو منتشر کیئے دیتے ہیں۔ اور جب تک ہم واپس آئیں آپ تامل کریں"

قصہ کوتاہ۔ **خواجہ اظہر علی** و دیگر رؤسائے شہر کی کوشش سے بلوائی منتشر ہوگئے فوج واپس چلی گئی اور شہر اس آفت ناگہانی سے محفوظ رہا

گامی مخبر کا والد مرحوم کو گرفتار کرانے کی کوشش کرنا

اس وقت حکام انگریزی سخت غضبناک تھے۔ حتیٰ کہ گورنر جنرل لارڈ کیننگ کا کہنا بھی نہ چلتا تھا فتح دہلی کے بعد باغیوں کی تلاش شروع ہوئی اور لوگوں کو بلا امتیاز پھانسی ملنے لگی۔ ایک شخص مسمی **گامی** سرکار کا ہوا خواہ بنکر شہر بشہر لوگوں کو گرفتار کراتا پھرتا تھا اور جسکو چاہتا تھا پھانسی دلادیتا تھا۔ جو شخص اوسکو رشوت دیدیتا اوسکی جان بچ جاتی۔ جس سے کچھ وصول نہ ہوتا اوسکو پھانسی دلوادیتا۔ جب مخبر سرکاری سپاہیوں کے ہمراہ **پانی پت** آیا تو اُس نے دو مرتبہ والد مرحوم کو جنکی عمر ۱۶ سال کی تھی پکڑوانے کی دھمکی دی اور یہ کہا کہ "**پانی پت** کے لوگوں نے دہلی کے باغیوں کو پناہ دی ہے۔ جب تک ان میں سے کسی سربرآوردہ آدمی کو نہ پکڑوایا جائیگا یہ لوگ باغیوں کو حوالہ نہیں کریں گے۔ اس اندیشہ سے ہمارے دادا نے والد مرحوم کو اون کے ماموں **خواجہ امجد علی** مرحوم کے پاس جو نواب لفٹننٹ گورنر بہادر کے دفتر کے محافظ دفتر تھے۔ بمقام لاہور بھیج دیا تھا۔ مثل مشہور ہے کہ "بُرے کام کا بُرا انجام"

جب ایک افسر کو معلوم ہوا کہ گامی نے بہت سے بیگناہوں کو قتل کرایا ہے - تو آخر کار اوسکو بھی پھانسی پر چڑھا دیا -

نکاح

سید محمد حسین مرحوم اور اونکے خاندانکا حال - سادات

پانی پت کے قریب ایک موضع شہداپور کے نام سے مشہور ہے جو کسی زمانہ میں سادات کی بستی تھی جنکے بزرگ امام زادہ بدر الدین (بدر عالم) و امام زادہ محمد اسحٰق و امام زادہ محمد اسمٰعیل ابو القاسم جو امام ششم حضرت جعفر صادق (علیہ السلام کی چوتھی یا پانچویں پشت میں ہیں محمود غزنوی سے بھی پہلے ہندوستان میں وارد ہوئے تھے - راقم کے نانا سید محمد حسین مرحوم جو پانی پت میں فارسی کے ایک مشہور ادیب اور خط شکستہ کے اعلی درجہ کے خوشنویس تھے - اسی خاندان سے تھے - اس شہر میں سادات اور انصار کی رشتہ داری قدیم زمانہ سے چلی آتی ہے - اسی بنا پر والد مرحوم کا نکاح سید محمد حسین مرحوم کی دختر سے ہوا - راقم کی نانی شمس العلما مولینا خواجہ الطاف حسین حالی کی حقیقی بہن تھیں -

برات کی کیفیت اور والد مرحوم کا رقص و سرود سے اجتناب

نکاح کے وقت والد مرحوم کی عمر تقریباً اٹھارہ سال کی تھی - اُس زمانہ میں شہر کے عام رواج کے موافق برات کے ساتھ ناچ کا ہونا لازمی سمجھا جاتا تھا - والد مرحوم ایک متقی اور پرہیزگار آدمی تھے - ہر قسم کے لہو و لعب اور رقص و سرود سے اونکو طبعی نفرت تھی - اونھوں نے بے انتہا کوشش کی کہ برات کے ساتھ ناچ نہ ہو - مگر اون کو اس مقصد میں ناکامیابی ہوئی - راقم کے دادا خواجہ اظہر علی مرحوم ہماری قوم میں سب سے زیادہ سربرآوردہ اور ذی اثر تھے - اس لیئے والد مرحوم کی برات میں ہر درجہ اور ہر طبقہ کے لوگ اسقدر کثرت سے شامل ہوئے تھے کہ پاؤ میل تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے

والد مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ ناچ برات کے اگلے حصہ میں تھا اور میں، برات کے پیچھے تھا اور میں اسطرح نہ ناچ دیکھ سکتا تھا اور نہ گانے بجانے کی آواز سن سکتا تھا۔

اولاد والد مرحوم کی بارہ اولادیں ہوئیں آٹھ بیٹے اور چار بیٹیاں سب سے پہلا بیٹا محمد عباس کل ننّو دن زندہ رہ کر فوت ہوگیا۔ یہ بچہ ڈیل ڈول۔ شکل وشباہت اور جسمانی صحت کے لحاظ سے نہایت ممتاز تھا۔ اوسکی موت کا تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا۔ بعدازاں چار بیٹے تھوڑے تھوڑے دن زندہ رہ کر فوت ہوگئے۔ ان کے سوا جو تین لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں وہ سب زندہ وسلامت ہیں۔ موجودہ اولاد میں راقم سب سے بڑا۔ مجھ سے چھوٹے خواجہ غلام الثقلین اور اُن سے چھوٹے خواجہ غلام السبطین ہیں۔ چاروں بہنیں ہم سب بھائیوں سے چھوٹی ہیں۔ والد مرحوم اپنی زندگی ہی میں تمام اولاد کی تعلیم وتربیت اور نکاح وغیرہ کے فرائض سے سبکدوش ہوچکے تھے ایک چھوٹے بیٹے اور بیٹی کا نکاح مرنے سے ۵ ماہ پیشتر ہوا تھا۔

اولاد کی تعلیم وتربیت

اولاد کی ابتدائی اور دینی تعلیم والد مرحوم کو جیساکہ پہلے بیان ہوچکا ہے قرآن مجید اور دینیات سے دلی ذوق وشوق تھا۔ اسی وجہ سے اونھوں نے تمام اولاد کو سب سے پہلے قرآن مجید کی تعلیم دلائی۔ بچپن میں مجھکو صبح کیوقت قرآن مجید کی تعلیم دی جاتی تھی اور دوپہر کے بعد اردو فارسی کی۔ میری والدہ (سلمہ اللہ تعالیٰ) نے مجھسے کہا کہ تمھارے نانا (سید محمد حسین) سے شہر کے سیکڑوں آدمی مفت فیض پاتے ہیں تھارا دوپہر کا وقت خالی ہے اس وقت کو فارسی خطوط نویسی کی مشق میں صرف کرنا مناسب ہے چنانچہ اسی والدہ کے فرمانے کے موافق میں نے کچھ عرصہ تک دوپہر کے وقت اپنے نانا مرحوم سے فارسی خطوط نویسی کی تعلیم حاصل کی۔ اسکے علاوہ مولوی شیخ احمد مرحوم۔ مولوی خواجہ ابراہیم حسین مرحوم اور شمس العلماء مولوی خواجہ الطاف حسین حالی سے

خاص طور پر عربی اور دینیات کی تعلیم دلائی - میرے دونوں بھائیوں کو بھی عربی اور دینیات کی ضروری تعلیم دلائی - لڑکیوں کو کلام مجید کے علاوہ اردو فارسی کی ضروری کتابیں پڑھوائیں دینیات کی تعلیم پر والد مرحوم خاصکر زور دیتے تھے - اون کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ دینی مسائل یاد کروائے جائیں - بلکہ یہ چاہتے تھے کہ دینداری کا اصل مغز اولاد کے تہ نشین کر دیا جائے - اس لیئے وقتاً فوقتاً زبانی تعلیم و تلقین سے اور خود اپنا نمونہ پیش کر کے اسلامی اصول و عقائد اور دینی مسائل کو دل میں بٹھا دیتے تھے - مذہبی تعلیم کا اس سے بہتر طریقہ ہو نہیں سکتا -

اولاد کی انگریزی تعلیم

والد مرحوم ابتدا میں انگریزی تعلیم کے مخالف تھے - اون کا قول تھا کہ انگریزی پڑھکر لوگ ملحد اور بیدین ہو جاتے ہیں یہی وجہ تھی کہ مجھکو **پانی پت** میں عربی و فارسی کی تعلیم دلانے کے بعد کسی انگریزی مدرسہ میں داخل نہیں کیا بلکہ عربی اور دینیات کی تکمیل کے لیئے میرے پھوپھا جناب مولوی **خواجہ ابراہیم حسین** مرحوم کے پاس جو اوس زمانہ میں گورنمنٹ ہائی اسکول امرتسر کے مدرس عربی تھے - بھیجدیا - یہ واقعہ سنہ ۱۸۸۸ء کا ہے - مولوی صاحب مرحوم نے مجھکو خانگی طور پر منطق اور دینیات کی تعلیم دینی شروع کی اور ساتھ ہی اپنے ایک دوست مولوی سید **احمد کبیر** صاحب کو انگریزی پڑھانے کیلئے تجویز کیا - جب خانگی طور پر کسی قدر انگریزی پڑھ لی تو مجھکو سرکاری مدرسہ کی چوتھی جماعت میں داخل کرا دیا - بعض اتفاقات سے مجھ کو امرتسر میں زیادہ عرصہ تک رہنے اور تکمیل تحصیل کا موقع نہ ملا اور وطن واپس آنا پڑا -

اسکے بعد میرے نانا شمس العلماء مولوی **خواجہ الطاف حسین** حالی (سلمہ اللہ) نے جو اوس زمانہ میں انگلو عربک سکول دہلی میں مدرس عربی تھے مجھکو اپنے ساتھ **دہلی** لیجانا چاہا والد مرحوم نے صاف انکار کیا اور کہا "میں اپنے لڑکے کو نیچری اور عیسائی بنانا نہیں چاہتا" مولوی صاحب نے جواب دیا "آپ اطمینان رکھیں میں اسکو نیچری یا عیسائی نہیں بننے دونگا - بلکہ نہایت پکا مومن و مسلمان بناؤنگا" آخر کار مولوی صاحب قبلہ کی بہن یعنے میری نانی اور نیز

میری والدہ کے سخت اصرار پر والد مرحوم نے بادل ناخواستہ مولانا حالی کے ہمراہ مجھے دہلی بھیجدیا۔ چند سال، دہلی میں رہکر راقم نے سنہ ۱۸۸۶ء میں اینٹرینس کا امتحان پاس کیا جو اوس زمانہ میں پانی پت کی حالت کے لحاظ سے معراج کمال سمجھا جاتا تھا۔

اس امتحان کے متعلق ایک امر قابل ذکر ہے۔ میرے پھوپھی زاد بھائی خواجہ باقر حسن (سلمہ اللہ) نے جو عربک سکول دہلی میں تعلیم پاتے تھے۔ اور میرے ساتھ ہی رہتے تھے۔ والد مرحوم کو اس مضمون کا خط لکھدیا کہ "غلام الحسنین نے مولانا حالی سے روپیہ قرض لیکر امتحان کی فیس داخل کی ہے۔ یہ روپیہ مولوی صاحب کے پاس بھیجدیجے جب میں امتحان سے فارغ ہو کر گھر واپس آیا تو والد مرحوم نے فرمایا، "تمنے قرض لیکر امتحان کی فیس ادا کی ہے میں ادا کر دوں گا"۔ میں نے عرض کیا، "نہیں میں نے اپنے پاس سے داخل کی ہے"۔ والد مرحوم نے پوچھا "روپیہ کہاں سے آیا؟ ہمنے تو معمولی خرچ کے سوا اور کچھ نہیں بھیجا تھا"۔ میں نے جواب دیا "اسی معمولی خرچ میں سے فیس ادا کردی ہے۔ کئی مہینے پہلے سے مجھے اس بات کا خیال تھا اور ہر مہینے کچھ رقم بچاکر جمع کرتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ فیس کی رقم پوری ہوگئی میں جانتا تھا کہ اس قدر رقم کا یک مشت ادا کرنا آپ کو دشوار ہوگا۔ بھائی باقر حسن صاحب نے محض اپنے قیاس سے ایسا لکھدیا ہے۔

چونکہ والدین میرے کالج کی تعلیم کا بار نہ اُٹھا سکتے تھے اور اس قدر تعلیم بھی اپنے اوپر سختی اوٹھاکر دلائی تھی۔ اسلیئے مجھکو ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ اس کے بعد زمانہ ملازمت میں بطور خود اپنے ذاتی مطالعہ سے پنجاب ورسٹی کے صیغہ علوم مشرقیہ کے سب سے اعلی درجہ کے امتحانات میں کامیابی حاصل کر کے سنہ ۱۸۹۵ء میں اسناد اور ڈپلوما حاصل کیئے۔

میں دہلی میں تعلیم پاتا تھا کہ میرے منجھلے بھائی خواجہ غلام الثقلین نے والد مرحوم سے دہلی جانے پر اصرار کیا۔ اور اُونکو بھی تعلیم کے لیئے دہلی بھیجنا پڑا انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد اونھوں نے بارہ ۱۲ اور انیس ۱۹ روپیہ ماہوارے کے دو وظیفے حاصل کر کے مشن کالج دہلی میں تعلیم شروع کی۔ مگر علیگڈھ کالج کی تعلیم کو پسند کر کے

علی گڈھ چلے گئے۔ جسکی وجہ سے اُنیس روپیہ ماہوار کا وظیفہ جو پنجاب کے لئے مخصوص تھا اور صوبہ غیر میں منتقل نہ ہو سکتا تھا چھوڑنا پڑا اور صرف بارہ روپیہ کا وظیفہ اون کو علی گڈھ میں ملتا رہا۔ مدرسۃ العلوم علی گڈھ میں رہکر اونھوں نے ۱۸۹۳ء میں بی۔ اے اور ۱۸۹۵ء میں ال۔ ال۔ بی کا امتحان پاس کیا خواجہ غلام الثقلین کا زمانہ تعلیم نہایت ممتاز گذرا ہے۔ اور وہ کالج کے نہایت سربرآوردہ گریجویٹوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ کالج کی تعلیم ہی کے زمانہ میں اونھوں نے کیمبرج سپیکنگ پرائز ملا انگریزی خوش تقریری کا انعام منجانب دارالعلوم کیمبرج) اور لارڈ لینسڈون سابق ویسرائے ہند کا تمغہ حاصل کیا۔

شروع ۱۸۹۶ء میں جبکہ عزیزے خواجہ غلام الثقلین امتحان ال۔ ال۔ بی پاس کر چکے تو اونکو حیدرآباد دکن میں بمشاہرہ ۱۵۰ بلا یا گیا۔ وہاں پانچ سال تک سول جج اور انسپکٹر مدارس کے عہدوں پر ممتاز رہے آخر ملازمت چھوڑ کر وکالت شروع کر دی اور اصلاح تمدن کا اہم کام۔ جسکو وہ بہت جوش اور خوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ اپنے ذمہ لے لیا اور اس غرض سے رسالہ عصر جدید نکالنا شروع کیا جو جنوری ۱۹۰۳ء سے کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔

میرے سب سے چھوٹے بھائی خواجہ غلام السبطین بی۔ اے۔ نے انٹرنس تک خاص میری نگرانی میں تعلیم پائی۔ اسکے بعد اونکو بھی علی گڈھ کالج بھیج دیا گیا یہاں اونھوں نے ۱۹۰۱ء میں بی اے پاس کیا۔ اور اب ریاست خیرپور سندھ میں ملازم ہیں۔ کچھ عرصہ اجمیر اور لاہور میں ہزہائینس نواب صاحب خیرپور سندھ کے پوتے کے اتالیق رہے اور اب خاص خیرپور سندھ میں انسپکٹر مدارس ہیں۔

انگریزی و مذہبی تعلیم کی نسبت والد مرحوم کی رائے

والد مرحوم کو اگرچہ شروع شروع میں انگریزی تعلیم سے مخالفت اور نفرت تھی۔ مگر باوجود انگریزی تعلیم پانے کی ہم کو مذہب میں پکا دیکھکر اونکی رائے بدل گئی تھی۔ اب اونکا خیال یہ تھا کہ انگریزی تعلیم فی نفسہ بری نہیں۔ البتہ اگر ابتدا میں بچوں کو مذہب سے غافل رکھا جائے۔

اور کافی مذہبی تعلیم نہ دی جائے۔ تو انگریزی تعلیم کا نتیجہ یہی ہوگا کہ بچے مذہب سے غافل۔ بے دین اور ملحد ہو جائیں گے۔

جس طرح خود صوم وصلواۃ ودیگر احکام شرعی کے پابند تھے۔ اولاد پر بھی ہمیشہ اس بات کی تاکید اکید رکھتے تھے۔ اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دین کو کھو کر دنیاوی عروج حاصل کیا جائے۔ تو یہ ترقی عین زوال ہے۔ اور جسکا نتیجہ عاقبت کا وبال ہے۔ یہ اون ہی کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ ہم سب بھائی بہن خدائیتعالی کے فضل وکرم سے اپنے عقائد مذہبی میں پختہ اور صوم وصلواۃ وغیرہ کے پابند ہیں۔ اونکی تربیت خشک نصیحتوں کے ذریعہ سے نہ تھی بلکہ عام مثالوں سے کسی بات کی برائی یا بھلائی ذہن نشین کر دیتے تھے۔ اور بڑی بات یہ ہے کہ نیکی کا ایک مجسم نمونہ ہر وقت ہمارے پیش نظر رہتا تھا زبانی وعظ وپند اسقدر سودمند نہیں ہو سکتی جسقدر ناصح کا ذاتی چال چلن موثر ہوتا ہے والد مرحوم نے ہم لوگوں کو کبھی کوئی دنیاوی دعا نہیں دی۔ بلکہ ہمیشہ استقامت دین اور انجام بخیر ہونے کی دعا دیا کرتے تھے۔ اور دوسرے لوگوں سے اپنے لیئے بھی ایسی قسم کی دعا چاہتے تھے۔ اونکو اپنے کسی بچے کے عادات اطوار سے کبھی کوئی نامیدی یا رنج نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ خدا کا شکر ادا کرتے تھے کہ میری اولاد میری مرضی کے موافق ہے

وسائل معاش

مدرسی کی نوکری ہمارے خاندان میں معافی دوامی کا سلسلہ بلبن کے زمانہ سے برابر چلا آتا ہے۔ مگر اس عرصہ میں جائداد کی تقسیم در تقسیم کی وجہ سے معافی کی آمدنی سے کافی گذارہ کی صورت نہیں رہی اگرچہ والد مرحوم کو نوکری سے بالطبع نفرت تھی تاہم اخراجات کی مجبوری سے نوکری تلاش کرنی پڑی۔ مدرسہ تعلیم المعلمین سے کامیاب ہونے کے بعد ایک قلیل تنخواہ پر موضع پٹی کلیانہ کے مدرسہ میں مقرر ہوئے اس زمانہ میں مدارس کی ابتدا تھی۔ لوگ اپنے بچوں کو مدرسہ میں پڑھانا نہیں چاہتے تھے

اور مدرس اکثر خالی بیٹھے مفت کی تنخواہ پاتے تھے - والد مرحوم نے مفت تنخواہ پانا گوارا نہ کیا
اوسوقت پانی پت میں ایک ضعیف العمر سید تحصیلدار تھے - والد مرحوم نے اُون سے کہا میرے
پاس کوئی لڑکا پڑھنے والا نہیں ہے - اور مفت کی تنخواہ لینی مجھے منظور نہیں - تحصیلدار صاحب نے
جواب دیا، "میاں لڑکے! کوئی پڑھنے والا نہیں ہے تو مجھے پڑہانے کے لئے لے چلو" اسکے
بعد والد مرحوم کو سمجھایا، "تمہیں اپنی تنخواہ سے کام ہے - اسقدر کیوں متفکر ہو - کوئی لڑکا
آئے پڑھا دو - نہ آئے نہ سہی - مگر اوںھوں نے اس بات کو منظور نہ کیا اور چند ہی مہینے
نوکری کرکے استعفا دیدیا -

پولیس کی ملازمت سے انکار اور مدرسہ ڈبائی کی مدرسی

اسکے بعد میرے والدہ کے بڑے ماموں **خواجہ امداد حسین** نے جو شمس العلماء مولٰنا حالی
کے بڑے بھائی تھے والد مرحوم کو محکمہ پولیس میں نوکر کرانا چاہا مگر اوںھوں نے
پولیس کی نوکری سے قطعی انکار کیا اور یہ کہا اس سررشتہ میں دیانتدار رہنا اور
ظلم سے بچنا بہت مشکل ہے - اسلیئے خواجہ صاحب مرحوم نے اونکو ڈبائی ضلع بلند شہر
میں بمشاہرہ عـــہ مدرس کرادیا -

قاضی شبرات علی رئیس ڈبائی کیساتھ تعلقات

زمانہ قیام ڈبائی میں والد مرحوم قاضی شبرات علی رئیس
ڈبائی کے مکان پر مقیم رہے - اور قاضی صاحب اون کو
اپنے ساتھ ہی کھانا کھلاتے تھے - جس کی وجہ زیادہ تر یہ تھی کہ اون کا ایک لڑکا **محمد اسحٰق**
والد مرحوم کا شاگرد تھا - والد مرحوم نے ہرچند کھانے پینے کا انتظام بطور خود کرنا چاہا مگر
قاضی صاحب نے ہرگز نہ مانا - والد مرحوم بچپن ہی سے نہایت صالح متقی اور پرہیزگار تھے
ان صفتوں کی وجہ سے قاضی صاحب باوجود اختلاف مذہب کے اون کو نہایت عزیز
رکھتے تھے - قاضی صاحب اونکو مثل اپنے بچوں کے سمجھتے تھے اور اکثر کہا کرتے تھے "کہ
بھائی شیعہ ایسے ہی ہوتے ہیں - جیسے تم ہو؟ اگر شیعہ ایسے ہی ہوتے ہیں تو ہم بھی شیعہ ہیں
خدا ہمکو بھی شیعوں میں محشور کرے -

شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ سے تعلقات

اُس زمانہ میں خان بہادر شمس العلماء مولوی

محمد ذکاء اللہ دہلوی ڈپٹی انسپکٹر مدراس تھے اور مدرسہ ڈبائی اون کے زیر معائنہ تھا۔ خان بہادر موصوف والد مرحوم کی نیک عادات وخصائل کی وجہ سے اونکی بہت قدر کرتے تھے۔ اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ پابندی مذہب نہایت عمدہ چیز ہے۔ جو مسلمان اپنے بچوں کو ابتدا میں مذہبی تعلیم نہیں دیتے اونکے بچے مذہب سے بے پروا اور خدا سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اسلیئے ابتدا میں مذہبی تعلیم بہت ضروری ہے" خان بہادر موصوف کا جو خط والد مرحوم کے انتقال پر بطور اظہار تاسف کے آیا ہے اُس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اونکو اپنے خاص دوستوں میں سے سمجھتے تھے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد والد مرحوم نے اس ملازمت کو بھی غالبًا بوجہ قلت مشاہرہ کے ترک کر دیا۔

سندھ ریلوے سروے کے محکمہ میں ملازمت اور والد مرحوم کی دیانت

۱۸۶۹ء کے قریب جبکہ سندھ ریلوے کی لین نکالی جاتی تھی۔ والد مرحوم کو ایک انگریز کے ماتحت جو اس کام پر متعین تھے۔ صیغہ فارسی کی سررشتہ داری بمشاہرہ عـــہ مل گئی۔ اور اونکی دیانت داری سے بہت خوش تھے۔ روپیہ کے داد وستد کا تمام کام اون کے سپرد تھا۔ بد دیانتی کا لہو جن لوگوں کے منھ کو لگ جاتا ہی وہ دیانت دار آدمی کو کیوں پسند کرنے لگے تھے؟۔

اول تو والد مرحوم کی دیانت اور اُس افسر کی عنایت عملہ کے لوگ اُنسے ناخوش رہنے لگے۔ اور تخریب کے درپے ہو گئے۔ اکثر صاحب سے شکایتیں کرنے۔ جنکی صاحب نے کبھی پرواہ نہیں کی۔ جب صاحب پر اون کا منتر نہ چلا تو میم صاحب کے کان بھرنے شروع کیئے۔ والد مرحوم ذکر کیا کرتے تھے کہ دو عملہ کے لوگوں نے میم صاحبہ کو یہاں تک برافروختہ کیا کہ وہ مجھے موقوف کرانے کے درپے ہو گئیں۔ ایک روز اُنہنے میری موقوفی پر بہت زور دیا۔ اور صاحب نے نہ مانا تو رونا شروع کیا۔ صاحب کھانا کھاتے جاتے تھے اور میم کے رونے پر ہنستے جاتے تھے۔ اور یہ جواب دیتے تھے کہ ہم ایسے دیانت دار آدمی کو کبھی موقوف نہیں کریں گے۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل تذکرہ ہے کہ ان شکایت کرنیوالوں پر کسی قصور کیوجہ سے

صاحب جرمانہ کرنا چاہتے تھے۔ تو والدمرحوم اکثر سعی کرکے جرمانہ معاف کرادیتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے "صاحب یہ لوگ بے سمجھ ہیں پھر ایسا قصور نہیں کریں گے" اور کبھی اس بات کا خیال نہیں کرتے تھے کہ یہ لوگ مجھے نقصان پہونچانے کے درپے ہیں۔ میں اون کے ساتھ کیوں احسان کروں۔ سچ کہا ہے ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اسا

جھوٹی خوشامد سے سخت نفرت

اکثر ملازموں کا عام شیوہ ہوتا ہے کہ افسروں کی بیجا خوشامد کو اپنا وسیلہ معاش اور ذریعہ ترقی سمجھتے ہیں ہر وقت ہاتھ جوڑ کر بات کرتے ہیں۔ اور ایسے الفاظ سے خطاب کرتے ہیں جو بجز ذات خداوندی کے اور کسی کے لئے شایاں نہیں ہیں۔ حالانکہ زبان سے جسقدر تعظیم وتکریم کا اظہار کرتے ہیں دل میں اوسکا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا۔ مگر ایک سچے اور کھرے آدمی سے جسکا ظاہر و باطن یکساں ہو۔ ایسی باتوں کی توقع نہیں ہوسکتی۔ والدمرحوم نے کبھی اس قسم کی ذلیل خوشامد نہیں کی۔ وہ اپنے افسر کو یورپ کے تعظیمی محاورہ کے موافق صرف "ڈیر صاحب" کے لفظ سے خطاب کیا کرتے تھے۔

ایک عبرت انگیز واقعہ

سروے کے کام کی وجہ سے دفتر ہمیشہ دورہ میں رہتا تھا اور سندھ کے ریگستان میں باربرداری کے لئے اکثر اونٹوں کی ضرورت ہوتی تھی۔ عملہ کے لوگ خصوصًا شاگرد پیشہ نہ تو شتربانوں کو پوری اُجرت دیتے تھے اور نہ اپنی رسد وخوراک کی قیمت ادا کرتے تھے۔ والدمرحوم کو اس طریق عمل سے سخت نفرت تھی اور سوائے دُودھ کے (جو سندھ کے لوگ مسافرنوازی کے طور پر خوشی سے پیش کرتے تھے) اور کوئی چیز بلاقیمت قبول نہیں کرتے تھے۔ عملہ کو بھی یہی ہدایت کیا کرتے تھے۔ مگر وہ لوگ اونپر ہنسا کرتے اور ازراہ طعن یہ کہا کرتے کہ "تم دنیا کی نعمتوں سے محروم ہو"

ایک روز عملہ کے لوگوں نے کسی شخص کی مرغیاں زبردستی پکڑ کر ذبح کرڈالیں۔ اور اونکو پکا کر کھا گئے۔ اسی دفتر میں ایک سید صاحب صیغۂ انگریزی کے ہیڈ کلارک (سر دفتر)

ستے - اُنھوں نے رات کو ایک وحشت ناک خواب دیکھا کہ بہت سے سانپ جن کے منھ مرغیوں کے سے ہیں اون کا گوشت نوچتے ہیں - یہ خواب بعینہٖ اور چند آدمیوں نے بھی اُسی وقت دیکھا - جب اس خواب پریشان سے اونکی آنکھ کھلی تو اونھوں نے یہ واقعہ والد مرحوم سے بیان کیا اونھوں نے اسکی یہ تعبیر دی کہ آپ لوگوں کی مرغیاں وغیرہ بلا قیمت زبردستی لے لیتے ہیں یہ معاملہ حقوق العباد کا ہے - اور جب تک صاحب معاف نہ کرے خدا بھی معاف نہیں کرتا - اس خواب میں آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہوئی ہے - سید صاحب نے نہایت خوف زدہ ہوکر کہا میں اپنے گناہ سے توبہ کرتا ہوں "خواجہ صاحب! آپ سچ فرماتے ہیں - اسوقت ڈیرا پچھلی منزل کوچ کر چکا تھا اسلیئے کئی میل تک آدمی پیچھے دوڑائے گئے - اور جس شخص سے مرغیاں زبردستی چھینی گئی تھیں بڑی مشکل سے اوسکا پتا لگا کر نہایت معذرت کے ساتھ دوگنی قیمت ادا کی گئی -

ترک ملازمت کے اسباب

اس ملازمت کو چار یا پانچ ہی مہینے گذرے تھے کہ اون کا مربی اور سرپرست افسر دریائے سندھ میں غرق ہوکر مرگیا - یوں بھی والد مرحوم نوکری کو پسند نہ کرتے تھے - اسکے علاوہ اپنی نگرانی میں بال بچوں کی پرورش اور تربیت ضروری سمجھتے تھے - اسلیئے اپنے محسن اور مربی انگریز کے مرجانے کے بعد ہمیشہ کے لیئے نوکری کو خیرباد کہدیا -

سررشتہ آبکاری کی نوکری سے انکار

ملازمت کا ذکر ختم کرنے سے پہلے یہ بات بیان کردینی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ جس زمانہ میں والد مرحوم اپنے عزیز کے پاس ملتان میں تھے - اور یہ زمانہ نہایت عسرت کا تھا - سررشتہ آبکاری میں ایک آسامی بمشاہرہ صہ خالی ہوئی - اونکے ایک مربی نے اس نوکری پر اونکو مقرر کرانا چاہا تو اونھوں نے اپنے زہد و اتقا کی وجہ سے اس نوکری سے انکار کردیا اور اپنی تنگدستی اور بیکاری کو آبکاری کی نوکری پر ترجیح دی اور یہ کہا کہ جیسا شراب کا پینا حرام ہے ایسا ہی شراب کے محکمہ میں نوکری کرنا بھی شرعاً سخت ممنوع ہے - میں حرام ذریعہ سے اپنی روزی حاصل نہیں کروں گا -

اونٹ گاڑیاں چلاتا

نوکری چھوڑ کر گھر واپس آ گئے۔ تو یہ خیال پیدا ہوا کہ کوئی جائز وسیلۂ معاش پیدا کیا جائے۔ اس زمانہ میں پانی پت سے دہلی تک اونٹ گاڑیاں نئی نئی جاری ہوئی تھیں۔ اور اس کام میں معقول منافع تھا۔ والد مرحوم نے بعض اقارب کی شرکت میں اونٹ گاڑی جاری کی۔ جس میں اچھا خاصہ فائدہ تھا۔ مگر بوجوہات چند در چند اون کو اس کام میں بھی خسارہ رہا۔ اور سال ڈیڑھ سال تک نقصان اوٹھانے کے بعد اس کام کو بھی ترک کرنا پڑا۔

زراعت کا سلسلہ اور اُس سے خاص دلچسپی

اونٹ گاڑیوں کو چھوڑ کر زراعت کا سلسلہ شروع کیا یہ کام والد مرحوم کی طبیعت کے نہایت مناسب تھا۔ اور اون کو آخر دم تک اس سے برابر دلچسپی رہی۔ اس کام میں فائدہ بھی ہوا اور نقصان بھی۔ زمین زیادہ تر گھر کی تھی۔ اور کچھ زمین ٹھیکہ پر لے لیتے تھے مگر روپیہ قرض لیکر لگانا پڑتا تھا۔ گھر کا روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے جسقدر فائدہ کی امید تھی اس قدر نہ ہوا پچھلے پندرہ بیس سال سے زراعت سے کچھ فائدہ نہ تھا۔ مگر والد مرحوم کا ذوق وشوق کبھی کم نہ ہوا۔ ہم لوگ اکثر کھیتی باڑی چھوڑنے پر اصرار کیا کرتے تھے کہ آپ کیوں بے فائدہ جان کھپاتے ہیں۔ تو یہ جواب دیتے "جب تک میرے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھوں گا۔ زراعت نہایت شریف پیشہ ہے اس میں انسان کو خدا سے براہ راست تعلق رہتا ہے۔ کاشتکار ہر وقت خدا ہی کے فضل وکرم کا امیدوار رہتا ہے۔ اور اُسی سے اپنی عرض حاجت کرتا ہے۔ اگر اس کام میں فائدہ نہیں ہے۔ تو نہو۔ اس بہانہ دس پانچ ملازموں اور اونکے بال بچوں کا پیٹ تو پلتا ہے۔ یہ فائدہ کیا کچھ کم ہے اور یہ شغل میرے لیئے ایک حلال ذریعہ معاش ہے"

اگرچہ زراعت نوکروں اور مزدوروں کے ذریعہ سے کراتے تھے اور خود نگرانی کرتے تھے۔ تاہم اون کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں بھی عار نہ تھا۔ اور ہل چلانے کے سوا کوئی کام ایسا نہ تھا جس کو اونھوں نے وقتاً فوقتاً اپنے ہاتھ سے انجام نہ دیا ہو۔ پچھلے برسوں میں زراعت سے فائدہ نہ ہونے کی خاص وجہ یہ تھی کہ نہر جمن غربی جو حال میں ہماری زمینوں کے بیچ میں سے نکالی گئی ہے۔ اُس کی وجہ سے زمینیں خراب ہو گئی تھیں۔ اسکے علاوہ

روپیہ کا سود رہے سہے فائدہ کو ہضم کر جاتا تھا۔

زراعت ہی کے شوق کی وجہ سے والد مرحوم نے میرے سب سے چھوٹے بھائی خواجہ غلام السبطین کو بی۔اے کا امتحان پاس کرنیکے بعد زراعت کا باقاعدہ کام سکھنے کے لیئے حال میں کانپور کے مدرسہ زراعت میں داخل کرایا تھا جہاں اونھوں نے زراعت کی علمی اور عملی تعلیم حاصل کی۔ مگر بعض وجوہ سے اون کو اپنا کارخانہ زراعت جاری کرنے کا موقع نہیں ملا۔

مسلمانوں کو تجارت وغیرہ کا شوق دلانا

عطاری کی دوکانیں کھلوانا اور اسکا اثر

ہندوستان کے مسلمانوں اور خصوصاً اُن مسلمانوں کو جو "شریف" کہلاتے ہیں یا اپنے تئیں شریف سمجھتے ہیں تجارت کا شوق نہیں ہے۔ ان کا خیال ہے کہ تجارت یا دوکان داری سے شرافت کو بٹا لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے اسلامی سلطنت گئی اور نوکری کا دروازہ مسلمانوں کے لیئے مسدود ہوا یا اوس کا دائرہ اون کے لیئے تنگ ہوا۔ وہ روز بروز مفلس اور برباد ہوتے جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی نوکری ہی پر دم دیتے ہیں۔ والد مرحوم اس بات کو خوب سمجھتے تھے۔ اور لوگوں کو سمجھایا کرتے تھے کہ ادنیٰ ادنیٰ نوکریوں کے لیئے برسوں مارے مارے پھرنے سے تو یہی بہتر ہے کہ تم دوکان کر لو یا کوئی کام سیکھ لو۔

اونکا یہ خیال بالکل صحیح تھا کہ دس یا پانچ روپیہ کی نوکری کے لیئے جتنی مدت تک حیرانی و سرگردانی اُٹھانی پڑتی ہے اُس سے کمتر عرصہ میں دوکان داری یا کسی حرفہ کا تھوڑا سا تجربہ حاصل کر کے قلیل سرمایہ سے نوکری سے زیادہ کما سکتے ہیں۔

اب سے بیس پچیس سال پیشتر پانی پت میں صرف ایک مسلمان عطار (دوا فروش) تھا۔ جس کو مدعیان شرافت بنظر حقارت دیکھتے تھے۔ ہندو عطاروں کی عموماً یہ کیفیت تھی کہ سالہا سال کی خراب دوائیں بیچتے تھے۔ اور سکنجبین کے سوا ایک ہی بوتل سے ہر قسم کا

شربت اور ایک ہی قرابے سے ہر قسم کا عرق نکال کر دیدیتے تھے - والد مرحوم نے اپنے ماموں زاد بھائی خواجہ محمد ولی اور ایک اور عزیز کو ترغیب دے کر عطاری کی دوکان کھلوادی - اور خود بھی کچھ عرصہ تک چندہ سے شریک رہے۔ اس مثال کی دیگر مسلمان شرفانے تقلید کی۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمان عطاروں کی متعدد دوکانیں یہاں موجود ہیں۔ اور اب کوئی شخص اون کو نظر حقارت سے نہیں دیکھتا۔

اسی طرح والد مرحوم نے مسلمانوں کو پڑچون اور دودہی کی دوکانیں کھولنے اور اون کو ایمانداری سے سودا بیچنے اور لوگوں کو اون سے سودا خریدنے کی ترغیب دی شہر میں اس قسم کی کئی دوکانیں اب بھی موجود ہیں۔

مشترکہ سرمایہ سے بزازے کی دوکان کھولنا

اس طرح لوگوں کو فرداً فرداً ترغیب دینے کے علاوہ والد مرحوم کو مشترکہ سرمایہ سے ایک تجارتی کمپنی قائم کرنے کا بھی خیال تھا۔ اسلئے اونھوں نے شہر کے تمام عمائد کی ایک پنچایت کر کے اس ضرورت کو بیان کیا۔ سب نے اس تجویز کو پسند کیا اور تین ہزار روپیہ کے سرمایہ سے ایک کپڑے کی دوکان کھولی گئی - شرکا کی طرف سے چار شخص کارکن مقرر ہوئے۔ منجملہ اون کے ایک والد مرحوم تھے۔

مال منگانے اور دوکان کھولنے کی تجویز تو منظور ہوگئی مگر اب یہ سوال پیدا ہوا کہ دوکان پر بیٹھکر کون شخص کپڑا بیچے گا۔ کیونکہ شرکا میں سے ہر شخص دوکانداری کو خلاف سمجھتا تھا۔ آخر یہ رائے قرار پائی کہ خواجہ غلام عباس صاحب جو اس تمام تجویز کے بانی مبانی ہیں اس کام کو انجام دیں۔ والد مرحوم نے کہا کہ جب تک دوکان کے سرمایہ میں ترقی ہو۔ اور ایک تنخواہ یاب منیجر مقرر کرنے کی گنجایش نکلے میں مفت اس کام کو انجام دوں گا۔

اگرچہ قدیم سوسائٹی کے اثر سے والد مرحوم بھی شستہ تھے - دوکان پر بیٹھکر سودا بیچنا یا محض تفریحاً کسی دوکان پر بیٹھنا اونکو نہایت مکروہ اور خلاف شان معلوم ہوتا تھا۔ مگر وہ خوب سمجھتے تھے کہ یہ صرف جھوٹی شیخی ہے۔ دوکانداری یا تجارت سے

شرافت کو بٹا نہیں لگتا۔ شریعت نے حلال روزی کی تاکید کی ہے۔ خواہ وہ کسی ذریعہ سے کمائی جائے۔ اولیا، کبار اور بزرگانِ دین نے ہر طرح کی محنت و مزدوری سے اپنی اوقات بسر کی ہے۔ بلکہ اُسکو فخر سمجھا ہے۔ جب تک ایک مثال قائم نہ کی جائے قوم کے دل سے دوکانداری اور تجارت کی نفرت دور نہیں ہو سکتی۔ اسلئے بجز اسکے اور کوئی چارہ نہ تھا کہ خود نمونہ بن کر لوگوں کو دکھائیں۔ چنانچہ خود دوکان پر بیٹھکر کپڑا بیچنا گوارا کیا

اسوقت بازار کی یہ حالت تھی کہ بزاز عموماً چونی روپیہ کے نفع پر مال بیچتے تھے والد مرحوم نے ۳/ فی روپیہ منافع پھیلا کر مال فروخت کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خریدار اسی دوکان کی طرف اُمنڈ آئے۔ جب بزازون کی کساد بازاری ہونے لگی تو اونھوں نے نفع کم کردیا۔ یہانتک نوبت پہونچی کہ اسلامی دوکان نے صرف ادھنی روپیہ کے نفع پر مال بیچنا شروع کیا۔ مگر فرق یہ تھا کہ اسلامی دوکان سے ہر شخص کو بلا امتیاز ایک ہی نرخ پر کپڑا دیا جاتا تھا۔ دوسرے بزاز واقف کاروں سے تو ادھنی روپیہ نفع لیتے تھے جو ناواقف اونکے پھندے میں پھنس جاتا تھا اُسکی خوب اچھی طرح حجامت کرتے تھے۔

اسلامی دوکان کی غیر معمولی ترقی اور پھر اوسکے تنزل اور بند ہوجانیکے اسباب

والد مرحوم کبھی دوکانداروں کی طرح سودا کرنے میں وقت ضایع نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ ایک ہی بات کہہ دیتے تھے۔ اگر کوئی شخص بیجک دیکھنا چاہتا تو اُسکو بے تکلف بیجک دکھا دیتے تھے۔ شہر کے ہر درجہ اور ہر طبقہ کے لوگ والد مرحوم سے بخوبی واقف تھے۔ اون کی راستی اور دیانت اظہر من الشمس تھی۔ اسلیئے ہر شخص کو اونکی بات کا یقین تھا۔ جسکی تصدیق عام بزازوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے ہر وقت ہو سکتی تھی۔ بکری کی یہ کیفیت نہ تھی کہ پانی پت جیسے مفلس شہر میں جہاں لوگ دو دو چار چار روپیہ سے زیادہ کا کپڑا بہت ہی کم خریدتے ہیں۔ چند ہی روز میں سَو روپیہ سے ڈیڑھ سو روپیہ روزانہ تک بکری ہونے لگی تھی۔ بزازوں کا بازار سرد پڑ گیا تھا والد مرحوم کو کھانا کھانے اور نماز پڑھنے کی بمشکل فرصت ملتی تھی۔ یہ ایسی اعلیٰ درجہ کی کامیابی تھی جسکی نظیر پانی پت میں تلاش کرنی بے فائدہ ہے اور اسکی وجہ والد مرحوم

کی راستی اور دیانت کے سوا اور کچھ نہ تھی۔

کسی قوم کی تنزل اور اوسکی بداقبالی کی بڑی وجہ حسد اور نااتفاقی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اوسکے افراد کوئی کام مل جلکر نہیں کرسکتے یہ وہ بلائے بے درماں ہے جس نے گھروں کو ویران۔ خاندان کو تباہ۔ قبیلوں کو برباد۔ اور قوموں کو غارت کردیا ہے بدقسمتی سے یہ مرض مسلمانوں میں خاص کر پھیلا ہوا ہے۔ اور پانی پت کے مسلمان بھی اس عام قاعدے سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ بعض لوگوں نے ازراہ حسد چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا شروع کیا۔ اور یہ خیال کیا کہ ہم تو کسی شمار میں نہ رہے جو کچھ ہیں خواجہ غلام عباس ہی ہیں۔ کسی شخص کو اتنی جرأت تو نہ تھی کہ کھلم کھلا یہ کہتا کہ آپ اس کام کو چھوڑ دیں مگر درپردہ ایسی کارروائیاں کرنا شروع کیں کہ کام بند ہوجائے اور وہ خود دق ہوکر اس کام سے علیحدہ ہوجائیں۔

والد مرحوم کو کوئی ذاتی غرض تو تھی ہی نہیں۔ کسی تنخواہ یا معاوضہ کی امید پر اُنھوں نے یہ کام شروع کیا ہی نہ تھا۔ بلکہ خاص قومی خدمت کی نیت سے اس کا بار اپنے سر پر لیا تھا۔ لوگوں کی یہ بیجا کارروائیاں اونکو ناگوار گذریں۔ اور دوکان کے تمام حساب وکتاب کا گوشوارہ بناکر جلسہ شرکا کے سامنے پیش کردیا۔ اور دکھادیا کہ اسوقت تک اس دوکان میں خاطر خواہ منافع موجود ہے۔ میں اس کام سے دست بردار ہوتا ہوں آپ صاحب جس شخص کو چاہے سپرد کریں۔ اگرچہ اکثر آدمیوں نے اونکو اس ارادے سے روکا اور یہ کہا کہ ہم آپ سے بہتر کسی کو اسکا اہل نہیں سمجھتے۔ مگر وہ خوب جانتے تھے کہ لوگ کھنڈت ڈالے بغیر نہ رہیں گے اور جس کامیابی سے کام چل رہا ہے آیندہ نہ چل سکے گا۔ اور نتیجہ کی ذمہ داری مجھپر عائد ہوگی۔ اسلئے اونھوں نے منظور نہ کیا اور آیندہ کو محض تضیع اور مفت کی کوفت سمجھا۔

والد مرحوم نے کل نونوے روز اس دوکان پر کام کیا تھا جب اونھوں نے کام چھوڑدیا تو بعض شرکا نے۔ جن کو والد مرحوم پر بھروسا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ اب دوکان کی خیر نہیں ہے۔ اپنا روپیہ واپس لے لیا۔ اور اس اسلامی دوکان

کا وہی حشر ہوا جو مسلمانوں کے کاموں کا عموماً ہوا کرتا ہے یعنے چند ماہ تک سستی کے ساتھ چلکر نقصان کے ساتھ ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی۔ اور وہی مثل صادق آئی کہ "وہ ساہجھے کی ہنڈیا چوراہے پر پھوٹی"۔

جس طرح (موسمی ہوا) کو دیکھکر بارش کی پیشین گوئی کر سکتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کی موجودہ حالت کو دیکھکر اونکے انجام کی پیشین گوئی کرنے لئے کسی پیغمبر کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلامی دوکان کی روزافزوں ترقی کو دیکھکر مہاجناں پانی پت نے ایک پنچایت کی جس میں یہ بیان کیا گیا کہ اسلامی دوکان بہت تھوڑے نفع پر مال فروخت کرتی ہے ہم اوسکا مقابلہ نہیں کر سکتے اب کیا کیا جائے۔

اسپر لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ آخر کار ایک بڈھے تجربہ کار مہاجن نے نہایت اطمینان کے ساتھ یہ بات کہی "بھائیو اس قدر پریشان کیوں ہوتے ہو۔ یہ چندے کی دوکان ہے" اور میاں لوگوں کی ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ خودہی بند ہوجائیگی" یہ پیشین گوئی چند روز کے بعد حرف بحرف پوری ہوگئی!

ممبری مینونسپل کمیٹی اسی زمانہ میں ایک بار باصرار اپنے ماموں خواجہ صفدر علی صاحب نمبردار کے والد مرحوم نے بذریعہ انتخاب ممبری کمیٹی منظور کی۔ مگر اس تین سال کے بعد پھر کبھی خواہش یا کوشش نہیں کی۔ ممبروں کی پارٹیوں اور جھگڑوں اور عوام کی خوشامد سے اونکو نفرت تھی اس ممبری کے زمانہ میں مرحوم نے کم تنخواہ مدرسین کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی کی اور اونکی ترقی میں کوشاں رہے۔

عام اخلاق اور عادات وخصائل

عفت اور پرہیزگاری دنیا میں نیک کم اور بد زیادہ ہوتے ہیں۔ نیکوں میں بھی زیادہ تر ایسے ہوتے ہیں۔ جو زمانہ شباب میں منہیات میں مبتلا رہ کر آخر عمر میں توبہ کرکے نماز روزہ اور وظائف کو اپنا شغل بنا لیتے ہیں۔ ایسے لوگ ایک حد تک قابل تعریف ہیں

اور بمقابلہ اُن لوگوں کے جنکی تمام عمر ارتکاب فواحش ومنہیات میں بسر ہوئی ہو بہت بہتر ہیں تاہم ایسے لوگونکے مقابلہ میں۔ جن کی زندگی شروع سے آخر تک پاک اور بے عیب گذری ہو یہ لوگ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ متقی درحقیقت وہی شخص ہے جو اپنے جذبات کو ایسے وقت قابو میں رکھتا ہے جبکہ بہت سے لوگ اونکا شکار ہو جاتے ہیں۔

والدمرحوم دنیا کے اُن برگزیدہ آدمیوں میں سے تھے جنکی زندگی ابتدا سے انتہا تک یکساں طور پر بے لوث گذری ہو اور جو فی الحقیقت لقب متقی کے مستحق ہیں۔ اونکا چال چلن دینداری اور پرہیزگاری کا ایک کامل نمونہ تھا۔ جسکی تقلید ہر شخص کو کرنی چاہیئے۔ اون کے عالم شباب کا ایک خاص واقعہ جو غالبًا لاہور میں پیش آیا تھا (مجھے یاد نہیں کہ والدمرحوم نے لاہور کا نام لیا تھا یا کسی دوسرے مقام کا) اس جگہ درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے ایک شخص نے اون سے کہا شہر میں ایک بڑے عالم اور مقدس مولوی صاحب آئے ہوئے ہیں۔ چلو اون سے مل آئیں۔ والدمرحوم کو علما اور صلحا کی خدمت میں حاضر ہو کر اون سے فیض پانے کا ہمیشہ سے شوق تھا۔ اُس شخص کے ساتھ ہولئے وہ اون کو شہر کے پیچ در پیچ راستوں سے ایک تنگ و تار کوچہ میں لے گیا۔ جہاں والدمرحوم نے دیکھا کہ بہت سی نوجوان عورتیں موجود ہیں۔ دل میں حیران تھے کہ یا الہٰی! یہ کیا معاملہ ہے۔ اپنے ساتھی سے پوچھا "تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔ یہاں کون سے مولوی صاحب رہتے ہیں مجھے تو یہ مقام فاحشہ عورتوں کا محلہ معلوم ہوتا ہے" اُس شخص نے کہا ہاں آج میں تمکو اسی جگہ لایا ہوں والدمرحوم فرماتے تھے کہ "یہ سنکر میرے ہوش اُڑ گئے۔ اور میں نے کہا "اے کمبخت! خدا سے ڈر۔ اگر اسوقت اُسکا غضب اس محلہ پر نازل ہو اور یہ تختہ اُلٹ جائے تو ہم دونوں بھی ساتھ ہی ہلاک ہو جائیں گے۔ یہ کہکر میں اپنے ساتھی کا ساتھ چھوڑ کر بے تحاشا بھاگا گھر واپس آکر دم لیا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اُسنے مجھے اس بلائے ناگہانی سے محفوظ رکھا۔

اسی طرح ایک دفعہ والدمرحوم یکہ میں سوار سفر کو جاتے تھے۔ اور بھی دو تین یکے ساتھ تھے ایک یکہ میں ایک کسبی اور چند میراثی اور دوسرے میں چند ولایتی (کابلی) سوار تھے جب یکے ایک منزل پر ٹھہرائے گئے۔ اور سب لوگ اوتر گئے تو اُس کسبی نے والدمرحوم سے مخاطب ہو کر کہا

"میاں! آپ ہمارے ساتھ اتنی دور سے چپ چاپ آرہے ہیں۔ ہمسے کوئی بات چیت آپ نہیں کرتے۔ والد مرحوم نے جواب دیا "کیا بات کروں۔ مجھے تیرے حال پر سخت افسوس آتا ہے کہ تیری عمر کے صرف چند سال باقی رہ گئے ہیں" اُسنے کہا "کیا آپ غیب داں ہیں"۔ والد مرحوم نے کہا "تو نے جو یہ بیحیائی کا پیشہ اختیار کیا ہے اسکی گرم بازاری چند روزہ ہے۔ اسکے بعد تجھے کوئی نہیں پوچھے گا۔ تیری باقی ماندہ زندگی نہایت تلخ گزرے گی۔ جو فوت سے بھی بدتر ہے یہ تو دنیاوی سزا ہے عاقبت کا وبال الگ ہا۔ تجھکو چاہیئے کہ اس فعل شنیع سے توبہ کرے۔ آخر اکیدن مرنا اور احکم الحاکمین کے سامنے جانا ہے"۔ ولایتیوں نے جب یہ گفتگو سنی تو والد مرحوم کے پاس آئے۔ اور بعد سلام وعلیک کے اونکا نام ونسب اور سکونت کا حال دریافت کیا۔ جب اونکو معلوم ہوا کہ وہ خواجہ عبد اللہ انصاری پیر ہرات کی اولاد سے ہیں۔ تو اونھوں نے والد مرحوم کے قدم لیئے۔ اور یہ کہا کہ اگر آپ کابل تشریف لیچلیں تو ہم آپکو اپنی آنکھوں پر بٹھائیں اور سیم وزر سے آپکو مالا مال کردیں۔

لہو ولعب سے طبعی نفرت اور دینداری کی طرف قدرتی رغبت

پچھلی صدی کے گئے گذرے زمانہ میں پانی پت کے "شرفا" کی اخلاقی حالت کا ایک نمونہ یہ تھا کہ بچوں اور جوانوں کی الگ الگ بیٹھکیں (نشست گاہیں) ہوا کرتی تھیں۔ جن میں فضول باتوں لغو قصوں۔ اور بیہودہ ہنسی مذاق اور اسی قسم کی باتوں کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ والد مرحوم کبھی ان بیٹھکوں میں نہیں بیٹھے۔ بلکہ دوسروں کو بھی روکتے تھے۔ جس حالت میں اونکے اکثر ہمعمر ایسی بیہودگیوں میں اپنی عمر عزیز کو رائگاں کھوتے تھے والد مرحوم کی تفریح یہ تھی کہ جو وقت تعلیم سے بچتا اوسکو مولوی خواجہ ابراہیم حسین مرحوم کی خدمت میں بسر کرتے۔ اونکے وعظ ونصائح سے مستفید ہوتے۔ نماز وغیرہ شرعی احکام کی سات سال کی عمر سے بالالتزام پابندی رکھتے تھے زمانۂ مرض الموت میں آخری چند روز کی نمازوں کے سوا (جو میں نے ادا کردی ہیں) تمام عمر میں اونکی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ گذشتہ ماہ رمضان میں اسی مرض کی مجبوری سے روزے قضا ہوگئے تھے۔ جسکا اونکو سخت افسوس تھا۔ مگر موت نے ان روزوں کے ادا کرنے کی مہلت نہ دی۔ اسکے سوا مدت العمر میں اون کا کوئی روزہ فوت نہیں ہوا۔

قرآن مجید اور ذکر الٰہی کا خاص شوق

اگرچہ والد مرحوم کو بچپن میں قرآن شریف ختم کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ مگر بڑے ہوکر اوںھوں نے اپنے شوق سے تمام قرآن کا مطالعہ کر لیا تھا۔ قرآن اور تفسیر وحدیث کا مطالعہ اونکا دلچسپ مشغلہ تھا فرصت کیوقت اکثر یہی چیزیں پیش نظر رہتی تھیں۔ جس شخص کی عمر کا بہت بڑا حصہ زراعت جیسے پیشہ میں بسر ہوا ہو۔ اوسکو مطالعہ اور کتب بینی کا اسقدر شوق نہیں ہوسکتا۔ مگر والد مرحوم اس کام کیلئے بھی کافی وقت نکال لیتے تھے۔ قرآن شریف پر اونکو اسقدر عبور تھا کہ ہر موقع ومحل کے موافق آیتیں بے تکلف پڑھ دیتے تھے۔ اور کوئی گفتگو خواہ مجمع عام میں ہو خواہ گھر پر۔ شاذ ہی ایسی ہوتی ہوگی جس میں کسی نہ کسی طور پر خدا اور رسول کا ذکر اونکی زبان پر نہ آجاتا ہو غرضکہ لوگوں کو احکام الٰہی کے پہونچا دینے اور اونکو وعظ ونصیحت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ دیتے تھے

زبان پر قابو

چونکہ والد مرحوم کی زبان پر ذکر الٰہی اکثر جاری رہتا تھا۔ یہ اسی کی برکت تھی کہ سخت غصہ کی حالت میں کبھی کبھی کوئی فحش یا ناشائستہ کلمہ اونکی زبان سے نہیں سنا گیا۔ اونکو اپنے نفس اور زبان پر قابو تھا۔ جو ایک اعلیٰ درجہ کی جوانمردی ہے ؎

نہ مرد است آں بہ نزدیک خردمند | کہ باپیل دماں پیکار جوید
بلے مرد آں کس ست از روے تحقیق | کہ چوں خشم آیدش باطل نگوید

والد مرحوم کا مزاج قدرتی طور پر غصیلا اور تند نہ تھا۔ مگر وہ غصہ کو بہت ضبط کرتے تھے اُنکا غصہ بھی ہمیشہ حق بجانب ہوتا تھا۔ لوگوں کو لغو اور بیہودہ حرکتوں اور جھوٹی باتیں بنانے سے روک دیتے تھے۔ بعض رشتہ داروں کی درشتی اور بد زبانی کو عموماً تحمل کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ دشنام کا جواب دشنام کے ساتھ کبھی نہیں دیا۔ البتہ بعض اوقات جب اونکی طبیعت کو سخت اشتعال دلایا جاتا تھا تو بد زبانی کا جواب ہاتھ سے دے بیٹھتے تھے۔ خواہ اس بات کو انسانی کمزوری کہو خواہ حمیت اور غیوری طبع کا نتیجہ سمجھو۔

اوراد وظائف کی پابندی

والد مرحوم کا دل نہایت نرم تھا۔ ہر شخص کی مصیبت پر اون کا دل کڑھتا اور دکھ جاتا تھا۔ اکثر قرآن پڑھتے ہوے خوف الٰہی سے رویا کرتے تھے

مجالس مواعظ و مصائب میں اونکے آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آتے تھے۔ راتکو اُٹھکر تہجد کی نماز پڑھتے اور اوراد وظائف کے پڑھنے میں صبح کر دیتے۔ دعائیں پڑھ پڑھکر زندہ اور مردہ اقارب واحباب کے لیئے نام بنام دعائے خیر کرتے۔ آسانی کے لیئے اوکھوں نے اون کے ناموں کی ایک فہرست بنالی تھی۔ جس میں وقتاً فوقتاً ناموں کا اضافہ کرتے رہتے تھے میں نے اس فہرست کو بچشم خود دیکھا ہے۔ سالہا سال تک والدمرحوم کا یہی ورد تھا۔ مگر آخری چند سال سے بوجہ کمزوری بیماری اور طرح طرح کے افکار کے تہجد کی نماز کا شغل چھوٹ گیا تھا۔

خلاف شرع امور اور بدعات سے نفرت

بچپن میں علمار اور صُلحا کی صحبت میں رہنے کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ اونکو خلاف شرع امور اور بدعتوں سے جنکو لوگوں نے نادانی سے جزوِ دین سمجھ رکھا ہے نفرت تھی۔ محرم میں باجا بجانا۔ مہندی چڑھانا۔ تعزیوں میں ڈوریاں باندھنا مجالس میں خلاف واقعہ امور کا بیان کرنا۔ راگ کے طور پر مرثیہ پڑھنا۔ قبروں پر منتیں چڑھانا وغیرہ وغیرہ امور کے سخت مخالف تھے۔ والدمرحوم ذکر کیا کرتے تھے کہ میری والدہ محرم میں اپنے گھر پر مجلس کیا کرتی تھیں۔ اور ہمارے یہاں ایک تعزیہ بھی بنا کرتا تھا۔ میں نے والدہ سے کہا میری رائے میں تعزیہ کی ضرورت نہیں ہی۔ اگر آپ فرمائیں تو آئندہ سے اسکا بنانا بند کر دیا جائے۔ اوکھوں نے اس درخواست کو منظور کیا اور اُس روز سے تعزیہ بننا بند ہوگیا۔" مگر مجلس عزا نہایت سادہ طریق پر اب تک برابر جاری ہے۔ اس مجلس میں نہ سوزخوانی ہوتی ہی نہ سینہ زنی۔ نہ کسی قسم کی آرایش نہ تکلف یہ مجلس بلحاظ اپنی سادگی کے تمام شہر میں ایک نمونہ ہی۔

ایک دفعہ میرے چھوٹے بھائی خواجہ غلام الثقلین (سلمہ اللہ تعالیٰ) بچپن میں کچھ بیمار ہوگئے۔ پانی پت میں مولوی غوث علی صاحب ایک درویش رہا کرتے تھے۔ ہماری نانی مرحومہ نے کہا اُس بچہ کیلئے مولوی غوث علی صاحب سے ایک گنڈا منگالو۔ یہ بات والدمرحوم کو ناگوار گذری اوکھوں نے کہا "میں خدا کا بندہ ہوں۔ مولوی غوث علی کا بندہ نہیں ہوں۔ اگر مولوی غوث علی کے گنڈے پر اس بچہ کی زندگی ہے۔ تو میں ایسی زندگی نہیں چاہتا+

عقد ثانی یا نکاح بیوگاں کی جیسی کچھ تاکید شریعت میں ہے محتاج بیان نہیں ہے۔ عام دستور کے ... فوق مردوں کے لیئے نکاح ثانی معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ مگر ہمارے شریف مسلمان بھائی (خدا اونکو ہدایت دے) یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ خاندان کی کسی عورت کا نکاح ثانی ہوا اور تمام خاندان کی ناک ہمیشہ کے لیئے کٹ گئی۔ والد مرحوم اس رسم قبیح کے دور کرنیکے لیئے وقتاً فوقتاً کوشش کرتے رہتے تھے چنانچہ عورتونکے نکاح ثانی کی بعض مثالیں اسوقت یہاں موجود ہیں۔ اگرچہ اس کام میں جیساکہ چاہیئے کامیابی نہیں ہوئی تاہم امید ہے کہ ان کی کوششیں ایک نہ ایک دن بار آور ہوں گی۔

جن لوگوں نے عرصہ دراز سے خلاف شرع کاموں اور بدعتوں کو جزو دین سمجھ رکھا ہے۔ اور بُری رسمیں جنکی گھٹی میں پڑ گئی ہوں۔ اونسے والد مرحوم جیسے کھرے اور بے لاگ آدمی کے ساتھ دینے کی توقع نہیں ہو سکتی یہ وجوہات ہیں جنسے بعض نافہم لوگ جو باوجود ادعائے پیروی شریعت محمدی اپنی پرانی رسموں کے مقابلہ میں دین و مذہب کو خیرباد کہدیتے ہیں۔ اونکی رائے کے سخت مخالف رہتے تھے۔ بایںہمہ اُنھوں نے امر حق کے ظاہر کردینے اور احکام الٰہی کے سنا دینے میں کبھی پس و پیش نہیں کیا کوئی مانے یا نہ مانے۔

سادگی اور تواضع سادگی والد مرحوم کی طبیعت کا ایک خاص وصف تھا۔ نہ کبھی اعلیٰ درجہ کا لباس پہنتے تھے۔ اور نہ کبھی پرتکلف کھانا کھاتے تھے۔ بلکہ خوراک اور لباس جسقدر سادہ ہوتا اُسی قدر زیادہ پسند کرتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مردونکو ہمیشہ سادہ لباس پہنا چاہیئے۔ رنگین اور بھڑکدار کپڑے عورتوں کو ہی زیبا ہیں۔ تواضع کی یہ کیفیت تھی کہ کسی ادنیٰ حیثیت والے آدمی کو بھی حقیر نہیں سمجھتے تھے اوسکو اپنے برابر بٹھا لیتے یا اُسکے پاس جا بیٹھتے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ خدا کے بندے سب برابر ہیں۔ خدا کے یہاں دنیاوی ثروت یا خاندانی وجاہت نہیں پوچھی جاتی وہاں تو اعمال پوچھے جائیں گے۔

ایک دفعہ والد مرحوم گھوڑے پر سوار اپنے کھیت کو جارہے تھے۔ راہ میں ایک بچہ جو اُنکو پہچانتا نہ تھا۔ گوبر کا ٹوکرا لیئے بیٹھا تھا اُوسنے آواز دی "میاں! میرا گوبر کا ٹوکرا اٹھا دے" یہ سنکر والد مرحوم نے گھوڑے کی باگ موڑی۔ اور نیچے اوتر کر اُسکا ٹوکرا اٹھوادیا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا کہ پروردگار! تونے اپنی مخلوق کی ایسی ایسی خدمتیں انجام دینے کی مجھے توفیق دی۔ جس میں میری کسر شان نہیں ہے۔

مسافر نوازی جب کوئی مسافر یا پردیسی شہر مین آتا اور والد مرحوم کو معلوم ہو جاتا کہ وہ محتاج اور تنگدست ہے۔ تو اپنی حیثیت کے موافق اور بعض اوقات قرض لیکر اُس کی مدد کرتے تھے۔ اُنھون نے لوگوں سے یہ بات کہہ رکھی تھی کہ اگر کوئی مسافر آئے اور کہیں سے اُسکو کھانا نہ ملے۔ تو میرے گھر سے اُسکے لیئے کھانا منگا لیا کرو۔ چنانچہ بارہا ایسا اتفاق ہوتا تھا اکثر اوقات مسافروں کو خاص اپنے گھر بہت دن تک مہمان رکھتے اور اُنکے ساتھ نقدی سے بھی سلوک کرتے اور کبھی کوئی ایسا کلمہ زبان پر نہ لاتے تھے جس سے احسان جتانا پایا جائے۔ اگر کوئی شخص انکا شکر گذار ہوتا تو نہایت شرمندہ ہو کر فرماتے "میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کر سکتا ہون؟ ہمکو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیئے جس نے ہمکو توفیق خیر دی" سچ ہے ؎

گر از حق نہ توفیق خیرے رسد

کہ از بندہ خیرے بغیرے رسد

سید ظفر علی صاحب ہڈ ماسٹر مدرسہ پانی پت نے والد مرحوم کے انتقال کے بعد مجھسے بیان کیا کہ ۱۹۰۳ء میں جبکہ میں کرنال سے تبدیل ہو کر پانی پت آنے لگا تو خان بہادر سید الطاف حسین خانصاحب آنریری مجسٹریٹ و پریسیڈنٹ میونسپل کمیٹی کرنال نے مجھ سے کہا تھا کہ جب تک پانی پت میں کوئی مکان دستیاب ہو آپ خواجہ غلام عباس کے مکان پر ٹھہریں" مین نے کہا میں اونسے واقف نہیں ہوں" سید صاحب موصوف نے جواب دیا" خواجہ غلام عباس صاحب سے سابقہ واقفیت کی ضرورت نہین ہے آپ بلا تکلف اونکے مکان پر ٹھہر جائیں چنانچہ میں کچھ دن خواجہ صاحب کے مکان پر مقیم رہا۔

پوشیدہ خیرات والد مرحوم لوگوں کے ساتھ جس قدر علانیہ سلوک کرتے تھے اُس سے زیادہ پوشیدہ خیرات کرتے تھے۔ مذہب اسلام نے دونوں قسم کی خیرات کی تاکید کی ہے پہلی قسم کی خیرات اسلیئے ضروری ہے کہ دوسرے لوگوں کو ترغیب ہو۔ دوسری قسم کی خیرات کی ضرورت دو وجہ سے ہے۔ اول اسلیئے کہ خیرات کرنے والوں کو احسان جتانے کا خیال پیدا نہ ہو۔ دوم اسلیئے کہ خیرات لینے والا دوسروں کی نظر مین حقیر نہ ہو۔ دونوں طرح کی خیرات اپنے اپنے موقع پر نہایت ضروری ہے۔ والد مرحوم کے مزاج مین

اسقدر احتیاط تھی کہ بسا اوقات پوشیدہ خیرات کو ہم لوگون پر بھی ظاہر نہیں کرتے تھے۔ہم کو یہ علم نہ ہوتا تھا کہ وہ کن کن لوگون سے سلوک کرتے ہیں۔ اونکو کیا دیتے ہیں؟ کسقدر دیتے ہیں اور کس وقت دیتے ہین؟ مرض الموت میں کوئی غریب آدمی مزاج پرسی کیلئے آتا تو ہم لوگوں کو حکم دیتے کہ اسکو اسقدر نقد یا جنس دے دو۔ کیونکہ ایسی حالت میں وہ چھپا کر خیرات نہیں کر سکتے تھے۔ والد مرحوم کے انتقال کے بعد بعض آدمیوں نے ہمسے بیان کیا کہ خواجہ صاحب ہمارے ساتھ وقتاً فوقتاً سلوک کرتے رہتے تھے حالانکہ ہم لوگوں کو اس سے پہلے اسبات کا علم نہ تھا*

یتیموں اور بیوہ عورتوں کی خبر گیری

یتیم بچوں کو دیکھکر والد مرحوم کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ اونکے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آتے۔ اکثر یہ فرمایا کرتے کہ یتیموں کی سرپرستی اور محبت ثواب عظیم اور اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے۔ جو شخص یتیموں اور بیکسوں پر رحم کرتا ہے۔ خدا اُسپر رحم کرتا ہے۔ یتیم کے رونے سے عرش عظیم کو زلزلہ ہوتا ہے ؎

الا تا نگیرید عرش عظیم بلرزد ہمی چو بگیرید یتیم

اسی طرح بیوہ عورتوں کے ساتھ بھی۔ جن کا کوئی والی وارث نہ ہوتا تھا۔ زبانی ہمدردی کے علاوہ مقدور بھر سلوک کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا۔ ایکدفعہ ایک عزیزہ نے والد مرحوم کو بلا کر کہا "تم سبکی خبرگیری کرتے ہو۔ میری کچھ خبر نہیں لیتے؟ آج میرے بچوں کو تیسرا فاقہ ہے" یہ سن کر والد مرحوم بہت روئے۔ خاصکر اسوجہ سے کہ اُس عزیزہ نے پہلے کبھی اُن سے سوال نہیں کیا تھا۔ گھر واپس آکر کچھ روپیہ لیے اور چپکے سے اُسکے حوالہ کر دیئے۔ اس واقعہ کا ذکر اونھوں نے اپنی ایک لڑکی سے پوشیدہ طور پر کیا تھا۔ جس سے صرف یہ مقصد تھا کہ اونکی اولاد بھی ایسے نیک کاموں میں اُنکی تقلید کرے*

محنت و جفاکشی

سست اور کاہل آدمیوں کے لیئے شیطان کوئی نہ کوئی بیہودہ شغل نکال کھڑا کرتا ہے۔ مگر محنتی اور جفاکش لغویات سے اکثر بچے رہتے ہیں۔ والد مرحوم

محنت و مشقت کے بچپن سے عادی تھے - اونکی عمر کا اکثر حصہ کھیتی باڑی میں صرف ہوا تھا گرمی کے موسم میں عین دوپہر کے وقت آٹھ دس میل پیدل چلے جانا اُنکے لیئے معمولی بات تھی وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے کام کو بھی حقیر نہیں سمجھتے تھے - سالار گنج کی شاہی مسجد کی مرمت میں (جس کے وہ خود متولی تھے) معماروں اور مزدوروں کے ساتھ خود کام کر کے دکھاتے کہ اسقدر کام تمکو کرنا چاہیئے - اپنے مکان کی تعمیر میں کبھی کبھی معماروں اور مزدوروں کا ہاتھ بٹانے لگتے - کھیت کے نوکروں کے ساتھ بعض اوقات کام کرنے لگتے - اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہل جوتنے کے سوا کھیت کا کوئی کام ایسا نہیں جسے میں نے کبھی نہ کبھی اپنے ہاتھ سے انجام نہ دیا ہو - اس بات کا نوکروں اور مزدوروں پر عمدہ اثر پڑتا تھا اور وہ والد مرحوم کو اپنے ساتھ کام کرتے دیکھکر زیادہ کام کرتے تھے - مزدوروں اور تمام پیشہ وروں کو ہمیشہ ہدایت کیا کرتے تھے کہ تمکو اپنے کام میں غفلت اور سستی نہیں کرنی چاہئے جب ایک مقررہ وقت تک کام کی مزدوری ٹھہر گئی تو تمہارا فرض ہے کہ مالک کی مرضی کے موافق کام کرو - حقے پینے یا باتیں بنانے میں وقت ضایع نہ کرو - ایسا کرو گے تو خدا کے سامنے بددیانتی کے مجرم بنوگے اور تمہاری حلال روزی حرام ہو جاوے گی - جس روز نہر کا پانی کھیت میں آتا تھا والد مرحوم نوکروں کو تاکید کر دیتے تھے کہ ہوشیار رہیں کوئی شخص پانی توڑنے نہ پائے - بلکہ خود بھی رات کیوقت اکثر پانی کی حفاظت کیا کرتے - قلاّبہ کے دہانے سے اپنے کھیت تک تمام رات پھرتے پھرتے صبح کر دیتے - ایکدفعہ رات کیوقت ہمارے کھیت میں پانی چل رہا تھا آس پاس کے کسی مزارع نے اپنے کھیت میں پانی توڑنا چاہا - تو دوسرے نے منع کیا کہ "خبردار ایسا نہ کرنا - میاں حفاظت کے لیئے یہیں کہیں بیٹھا ہوگا - والد مرحوم ذکر کرتے تھے کہ میں اُس وقت وہیں موجود تھا - میں نے پکار کر کہا "خبردار پانی کو نہ چھیڑنا ورنہ اچھا نہ ہوگا" اس واقعہ سے والد مرحوم کی جفاکشی کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہے کہ اون کا رعب دوسرے زمینداروں پر کیا کچھ غالب تھا -

قومی و ملکی ترقی کی فکر

مسلمانوں کو تجارت کا شوق دلانے کے لیئے جو کوششیں والد مرحوم نے کیں اون کا ذکر پہلے آچکا ہے - مدت سے اونکی یہ بھی خواہش تھی کہ

پانی پت میں ایک **مدرسہ صنعت وحرفت** جاری ہوجائے اور نجاری کے کام سے جس کی ضرورت پانی پت میں بہت زیادہ ہے شروع کیا جاوے۔ ادہر قوم کے بچے بلا امتیاز اُس میں تعلیم پائیں۔ اور جو مفلس آدمی شریف کہلا کر گدائی وغیرہ رذیل پیشوں سے معاش پیدا کرتے ہیں وہ کام سیکھ کر حلال روزی حاصل کرنے کے قابل بن جائیں۔ جس سے قومی اور ملکی بہبودی مقصود ہے۔ چونکہ یہ اہم کام والد مرحوم کی تنہا کوشش سے انجام پذیر نہیں ہوسکتا تھا۔ اور اوسکی تکمیل کے لئے دوسروں کی مدد درکار تھی اور ہماری قوم ایسی ضرورتوں کو محسوس ہی نہیں کرتی اس لیئے والد مرحوم کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی کاش اہل وطن اس ضرورت کو سمجھیں اور چند باہمت ایسے نکل آئیں جو اس اخلاقی فرض کو پورا کرکے عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوں۔

خواجہ تصدق حسین صاحب بی۔اے پانی پتی میر منشی گورنمنٹ پنجاب (جو میرے ماموں ہوتے ہیں) اور **فقیر نجم الدین** صاحب رئیس لاہور جو آجکل یہاں سررشتہ بندوبست میں نائب تحصیلدار ہیں۔ ان دونوں صاحبوں کے سامنے حال ہی میں والد مرحوم نے قصبہ پانی پت کی معافی کے بارہ میں ایک عمدہ تجویز پیش کی تھی۔ کہ معافی دوامی جو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد سے چلی آتی ہے۔ ہماری قوم کے ہاتھ سے نکلتی جاتی ہے۔ یہ معافی درحقیقت صرف ہماری قوم کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔ مگر اب سب لوگ زمین خرید کر اُس سے یکساں فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ میری رائے میں ایسا ہونا چاہیئے کہ صرف زمین ہر شخص خرید سکے۔ مگر حق معافی انصار کے سوا کسی دوسری قوم میں منتقل نہ ہونے پائے۔ دونوں صاحبوں نے اس تجویز کو پسند کرکے یہ کہا کہ جب تک تمام قوم باتفاق گورنمنٹ سے درخواست کرکے پوری طرح پیروی نہ کرے اُس وقت تک کامیابی نہیں ہوسکتی **فقیر نجم الدین** صاحب نے والد مرحوم کے انتقال کے بعد مجھسے اس واقعہ کو بیان کرکے یہ کہا کہ خواجہ غلام عباس صاحب کی اس تجویز کو سنکر میں تو حیران رہگیا کہ یہ شخص کیا عالی دماغ اور دور اندیش ہے جسکے دماغ سے ایسے بلند خیالات نکلتے ہیں۔ جنکو دوسرے آدمی سمجھا نے

پر بھی سمجھ نہیں سکتے - خود بخود تو ایسی تجویز کیا کرینگے ؟ افسوس کہ قوم کے دلوں میں پھوٹ کے بیج نے ایسی جڑ پکڑی ہے کہ اُن سے اس قسم کی توقع رکھنا بظاہر محال معلوم ہوتا ہے - اُن کی طبیعت سے اتفاق کا مادہ یہاں تک مفقود ہو گیا ہے کہ جس تجویز میں تمام قوم کی بھلائی ہو اُسکو بھی سر جوڑ کر پورا نہیں کر سکتے ابھی تک پانی پت میں "بندوبست" کا کام جاری ہے اگر لوگ ہاتھ پاؤں ہلائیں تو کچھ نہ کچھ ہو سکتا ہے*

حکام کی قدر دانی والد مرحوم کو جھوٹی باتیں بنانے اور لوگوں کی غیبت اور بدگوئی سے نہ صرف خود نفرت تھی بلکہ وہ دوسرے لوگوں کو بھی ایسے کاموں سے ہمیشہ روکتے رہتے تھے - بدقسمتی سے آجکل ان ہی باتوں کو حکام تک رسائی حاصل کرنے کا بڑا وسیلہ سمجھا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ والد مرحوم حکام سے بہت ہی کم ملتے تھے تاہم جس حاکم سے ایک دفعہ مل لیتے وہ اونکی قدر کرتا - اور اونکی علمی لیاقت اور واقفیت عامہ سے بہت خوش ہوتا تھا*

نواب علی احمد خاں صاحب مرحوم رئیس کنجپورہ (ضلع کرنال) ایک عرصہ دراز تک پانی پت میں تحصیلدار رہے تھے - اکثر آدمی روزمرہ اونسے ملنے جایا کرتے - ایکدفعہ کسی ضرورت سے والد مرحوم اونکے پاس گئے تو تحصیلدار صاحب موصوف نے اونکو دیکھتے ہی کہا "خواجہ صاحب آپکا آنا کیونکر ہوا" والد مرحوم نے اپنی ضرورت بیان کی تو اُنھوں نے محرر کو بلا کر فوراً اونکا کام پورا کرا دیا اور یہ کہا "آپ ایک با خدا آدمی ہیں - آپ کو کچہری میں آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے - اگر کچھ کام ہو تو مجھسے کہلا بھیجا کیجئے" - اسکے بعد نواب صاحب موصوف نے شہر کے چند آدمیوں کی طرف جو اوسوقت وہاں موجود تھے - اشارہ کر کے کہا کہ "یہ لوگ جو مجھے ہر روز آکر سلام کرتے ہیں میں انکی نسبت آپکی بہت زیادہ قدر کرتا ہوں"

چونکہ پانی پت ایک تاریخی مقام ہے - اسلئے جو صاحبان انگریزی پہلی مرتبہ پانی پت آتے ہیں وہ شہر کے تاریخی مقامات کو خصوصیت کے ساتھ ملاحظہ کرتے ہیں - آپ سے دو سال قبل **نواب لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب** بتقریب دورہ پانی پت

تشریف لائے تھے چونکہ والد مرحوم سے زیادہ پانی پت کے قدیم حالات کسی شخص کو معلوم نہ تھے اسلیئے تحصیلدار صاحب پانی پت نے لاٹھ صاحب سے تاریخی حالات بیان کرنے کی غرض سے اون کو منتخب کیا تھا۔ چنانچہ مختلف مقامات کے ملاحظہ کے وقت والد مرحوم صاحب ممدوح کے ساتھ رہے۔ اور قدیم حالات بیان کرتے رہے۔ جسکی وجہ سے صاحب ممدوح بہت محظوظ ہوئے۔

آغا سردار **سید جلال شاہ صاحب** جو آجکل پانی پت کے تحصیلدار ہیں والد مرحوم کی بہت قدر کرتے تھے۔ اون کو نیک اور سچا آدمی جانتے تھے۔ اور حکام ضلع سے بھی ہمیشہ اُن کی تعریف کرتے رہتے تھے۔ آپ بھی جب ذکر آتا ہے۔ والد مرحوم کو نیکی سے یاد فرماتے ہیں *

کرنیل محمد اکرم خاں صاحب قزلباش آنریری مجسٹریٹ وسب رجسٹرار پانی پت والد مرحوم کی نسبت فرمایا کرتے ہیں خواجہ غلام عباس مردے دلیر و دیندار و مومن کامل بود۔

مسٹر جے۔ پی طامسن صاحب ایم۔ اے جو ابھی ہمارے ضلع کرنال کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ ایک بیدار مغز۔ منصف مزاج۔ ذی علم۔ اور علم دوست حاکم ہین۔ والد مرحوم کو صرف دو مرتبہ اُن سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ مگر صاحب موصوف جو اعلےٰ درجہ کے مردم شناس ہیں اونکی نسبت بہت عمدہ رائے رکھتے ہیں والد مرحوم کے انتقال کا حال معلوم کرکے اونھوں نے مجھسے اور میرے بھائی خواجہ غلام الثقلین سے خاص طور پر افسوس اور ہمدردی کا اظہار فرمایا تھا۔

خان بہادر **سید الطاف حسین** خانصاحب جو گذشتہ پچیس سال سے خاص ضلع کرنال مین مقیم ہین نہایت ہردل عزیز اور خلیق افسر ہیں اور عرصۂ دراز تک اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر۔ افسر مال۔ سب جج وغیرہ عہدون پر ممتاز رہے ہین۔ اور پنشن پانے کے بعد خاص کرنال مین آنریری مجسٹریٹ سب رجسٹرار اور پریسیڈنٹ میونسپل کمیٹی ہیں ضلع کرنال کے لوگوں سے سید صاحب موصوف واقف ہیں کسی دوسرے حاکم کو اسقدر واقفیت نہین ہو سکتی۔ والد مرحوم کو سید صاحب ممدوح سے اول اول ۱۸۶۹ء مین

بمقام ملتان ملاقات کا اتفاق ہوا تھا اور وہ اونکو دیانت داری مذہبی پابندی وغیرہ
صفتوں کے لحاظ سے پانی پت کے لیئے ایک نمونہ سمجھتے ہین ۔

والد مرحوم کے عادات و خصائل کا مختصر سا خاکہ ۔ جو اوپر کھینچا گیا ہے
وہ بالکل نامکمل ہوگا ۔ اگر اون کی **جسمانی طاقت ۔ ہمت و شجاعت ۔ انسانی ہمدردی ۔ راستی و دیانت** اور **صبر و استقلال** وغیرہ کی مثالوں سے اُسکی
تکمیل نہ کی جاوے ۔ اسلیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جدا جدا عنوان قائم کرکے
ان صفتوں کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاوے ۔

جسمانی طاقت ۔ ہمت و شجاعت اور عفو مع القدرت کی بعض مثالین

جسمانی قویٰ

والد مرحوم کے قویٰ بہت اچھے تھے ۔ اگرچہ اونھوں نے کسی
قسم کی کسرت یا ورزش نہیں کی تھی ۔ تاہم اونکا ڈیل ڈول اور ہاتھ پاؤں ایسے
تھے جیسے کسی پہلوان کے ہوتے ہیں ۔ جوانی کی زمانہ میں شہر کے بہت کم آدمی جسمانی
طاقت میں اونکا مقابلہ کرسکتے تھے ۔ گذشتہ چند سال میں طرح طرح کے افکار اور
ترددات نے اُن کے قویٰ کو بہت کچھ مضمحل کردیا تھا ۔ تاہم اس ضعیفی کے زمانہ
میں بھی اپنے ہم عمروں بلکہ آجکل کے نوجوانوں سے زیادہ ہمت اور طاقت رکھتے تھے

ایک پہلوان کے ساتھ پنجہ کرنا

والد مرحوم اپنی جوانی کے زمانہ کا ایک واقعہ بیان کیا کرتے
تھے کہ ایکدفعہ ایک تنومند اور قوی آدمی لوگوں سے پنجہ کررہا تھا
ان میں سے کوئی شخص اُس کا ہاتھ موڑ نہ سکتا تھا میں نے اُس سے کہا "آپ ان
لوگوں سے کیا پنجہ کرتے ہیں مجھ سے پنجہ کیجیے " اُس وقت میں لیٹا ہوا تھا اور وہ
بیٹھا تھا ۔ میں نے اپنا بایاں ہاتھ اوسکے دائیں ہاتھ میں ڈال دیا اگرچہ یہ بات پنجہ کشی کے
اصول اور مصلحت کے بالکل خلاف تھی کہ دوسرے شخص کے دائیں ہاتھ میں اپنا
بایاں ہاتھ ڈال دیا جاوے ۔ یا بیٹھے ہوئے آدمی سے لیٹ کر پنجہ کیا جاوے جس میں
ہرطرح فریق مخالف ہی کا فائدہ ہے مگر میں نے اپنی طاقت کے بھروسے پر اس بات کی

پروانہ کی۔ نیتجہ یہ ہوا کہ اُس شخص نے اپنا پورا زور لگایا جس سے میرے قلب کو سخت صدمہ پہونچا۔ مگر وہ میرا ہاتھ موڑ نہ سکا۔ پھر مجھے غش آگیا۔ اور اُسنے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔

زور آزمائی کی ایک غیر معمولی مثال

والدمرحوم کی جسمانی طاقت کے متعلق ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ یہ اُس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ ہماری گاڑیاں پانی پت سے دہلی تک چلتی تھیں۔ ایک دفعہ ہماری گاڑی میں مال لدا ہوا تھا۔ کئی آدمی گاڑی کو موڑنے کے لیئے لگے ہوئے تھے۔ مگر اوسکو موڑ نہ سکتے تھے یہ حال دیکھکر والدمرحوم سے رہا نہ گیا اوُنھوں نے خود زور لگا کر گاڑی کو موڑ دیا اور گاڑی زمین سے چار انگل اوپر اُٹھگئی بس زور آزمائی میں اونکی کمر کو سخت صدمہ پہونچا۔ کیونکہ گاڑی میں ستر من بوجھ لدا ہوا تھا۔

غلہ کی حفاظت میں چوروں کا تعاقب اور اُسمیں کامیابی

جب کھیت میں غلہ تیار ہو جاتا تھا تو والدمرحوم اکثر کئی کئی دن متواتر شب و روز غلہ کی حفاظت کے لیئے باہر رہا کرتے تھے ایک دفعہ غلہ کا انبار کھیت میں لگا ہوا تھا۔ رات کے وقت جبکہ والدمرحوم کی آنکھ لگ گئی تو چند آدمی غلہ کی گٹھریان باندھکر لیگئے۔ جب اُونکی آنکھ کھلی۔ اُنھوں نے تن تنہا چوروں کا تعاقب کیا۔ کچھ دور چلکر چور گٹھریاں زمین پر پھینک کر بھاگ گئے اسکے بعد والدمرحوم نے نوکروں سے کہا غلہ کا انبار بہت کم معلوم ہوتا ہے میرا خیال ہی کہ چوروں نے یہیں کہیں غلہ جمع کر رکھا ہوگا چنانچہ جستجو کے بعد معلوم ہوا کہ اُنھوں نے بہت سا غلہ ڈھوکر راستہ کے قریب لگا دیا تھا تاکہ فرصت کیوقت اُٹھا کر لیجائیں۔ غرض اس طرح تمام غلہ برآمد ہوگیا۔

کنجروں پر رعب اور اُنکو ضلع سے نکلوا دینا

سال گذشتہ کنجروں کا ایک ٹانڈا اِدھر اُدھر آوارہ پھرتے پھرتے پانی پت کے قرب وجوار میں آکر آباد ہوگیا تھا۔ یہ لوگ دن بھر شہر میں بھیک مانگتے اور رات کو زمینداروں کی کھیتیاں اُجاڑتے۔ یا پیداوار چرا لیجاتے تھے۔ اس آفت سے بچنے کے لیئے اکثر لوگوں نے کھیت کی پیداوار کا ایک حصہ کنجروں کو دینا منظور کر لیا تھا۔ اور وہ ہر ایک کنوئیں سے اپنا "ٹکیس" وصول کرتے پھرتے تھے۔ جب ہمارا غلہ تیار ہوا تو وہ ہمارے کھیت میں بھی اپنا "معمول" وصول کرنے کے لیئے آئے۔ والدمرحوم نے للکار کر کہا کہ اگر تم نے کبھی میرے کھیت میں قدم رکھا یا میں نے اپنے کھیت کے

آس پاس پھرتے دیکھا تو تمہارا سر توڑ دوں گا۔ مجھے دوسرے زمینداروں جیسا نہ سمجھنا"۔ کنجروں نے خوف زدہ ہو کر کہا "میاں! اب ہم تیرے کھیت میں نہیں آئیں گے"۔ چنانچہ اونھوں نے ایسا ہی کیا بھی۔ مگر دوسرے زمینداروں کو اسقدر حوصلہ نہ تھا۔ اونھوں نے کنجروں کو ٹیکس دینا گوارا کر لیا۔ والد مرحوم نے جب دیکھا کہ زمیندار اور قوم کے لوگ ساتھ نہیں دیتے۔ اور سب کنجروں سے ڈرتے ہیں۔ تو اونھوں نے **مسٹر طامسن صاحب** بہادر ایم۔ اے ڈپٹی کمشنر ضلع کرنال سے کنجروں کی شکایت کی۔ صاحب ممدوح نے جو ایک نیک دل اور رعایا پرور حاکم ہیں کنجروں کو اپنے ضلع سے نکال دیا اور اس طرح شہر کے سر سے یہ وبال ٹل گیا۔

جرأت و ہمت کا ایک حیرت انگیز واقعہ

والد مرحوم کے انتقال سے کوئی آٹھ مہینے پہلے پانی پت میں طاعون پھیلا ہوا تھا۔ اور ہم لوگ شہر چھوڑ کر اپنے باغ میں مقیم تھے۔ ایک روز شام کے وقت نہر کا پانی باغ میں آ رہا تھا کہ اتنے میں مغرب کی کے قریب ابر سیاہ نمودار ہوا۔ نہایت سخت آندھی چلنی شروع ہوئی اور موسلا دھار مینھ برسنے لگا۔ آندھی کی شدت اس بلا کی تھی کہ چھپر ہوا سے اوڑ کر کہیں سے کہیں جا پڑے سیکڑوں مضبوط اور تناور درخت زمین پر گر پڑے۔ شہر کے نہایت معمر اور سن رسیدہ آدمیوں کا بیان ہے کہ ہم نے ایسا سخت طوفان نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔ بارش کا وہ زور کہ الاماں کسی طرح تھمتی نظر نہ آتی تھی۔ سڑکوں پر جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی۔ پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ باغ کے جس چھپر میں ہم لوگ مقیم تھے وہ بالکل معمولی تھا۔ اُس میں کواڑ تک نہ تھے اسلیئے مینھ کی بوچھار فوارے کی طرح ہم پر پڑتی تھی۔ اور اوپر سے تمام چھپر ٹپک رہا تھا مصیبت پر مصیبت یہ کہ چھپر کا نصف حصہ آندھی سے اڑ کر علیحدہ ہو گیا اور بارش کی مطلق روک نہ رہی۔ عورتیں بچے دریاں رزائیاں وغیرہ اوڑھکر بیٹھ گئے۔ جب یہ کپڑے بھی تر ہو گئے تو سردی کے مارے کانپنے لگے۔ اسوقت میں اور والد مرحوم چھپر کی بلیوں کو سہارا دیئے کھڑے ہوئے تھے کہ مبادا چھپر گر پڑے اور سب کے سب دب جائیں نیچے سے نہر کا پانی باغ میں آ رہا تھا۔ اوپر سے آسمان کا پانی برس رہا تھا۔

غرضکہ آفات ارضی و سماوی نے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا "نہ روے رفتن نہ راہ ماندن" ہمارا چھپر اگرچہ بلند زمین پر واقع تھا۔ مگر اسمیں بھی پانی آنے لگا۔ اور یہ بھی اندیشہ تھا کہ تمام باغ کے درخت ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ اسوقت تین چار ملازم وغیرہ بھی موجود تھے مگر کسی کی اتنی ہمت نہ تھی کہ نہر کے پانی کا ناکا بند کر دے۔ والدمرحوم صرف ایک لنگی باندھکر برہنہ بدن بغیر کسی چھتری وغیرہ کے۔ کستی ہاتھ میں لے لیکر نکلے۔ اور اسی بارش اور آندھی میں جاکر پانی کا ناکا بند کر دیا۔ اور جو پانی باغ میں بھرا ہوا تھا اُسکو کاٹ کر سڑک کی طرف نکال دیا جس سے اونکو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی جب کئی گھنٹے کے بعد بارش تھم گئی تو گاڑی منگا کر عورتوں اور بچوں کو گھر پہونچا دیا۔ میری والدہ (سلمہ اللہ تعالیٰ) جو باغ میں ہمارے ساتھ تھیں۔ ضعیف اور بیماری کی وجہ سے چل پھر نہ سکتی تھیں۔ خاصکر ایسے وقت میں کہ تمام باغ کیچڑ اور پانی سے بھرا ہوا تھا۔ والدمرحوم اونکو اپنی کمر پر بٹھاکر باغ کے دروازہ تک لائے اور گاڑی میں سوار کرا دیا۔ یہ کام ہمین سے اور کسی شخص کا نہ تھا۔ یہ واقعہ ۱۳ مئی سنہ ۱۹۰۵ء مطابق ۸ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۳ھ کا ہے۔

زمانہ مرض الموت میں ہمت و شجاعت کا ایک اور حیرت انگیز واقعہ

والدمرحوم کے مرض الموت کی ابتدا تھی اور وہ بخار کی حالت میں اوپر کے مکاں میں لیٹے ہوئے تھے نیچے کے حصہ میں بیل اور بھینسیں بندھی ہوئی تھیں۔ اتفاق سے اُس روز بیل خانہ کا دروازہ کھلا رہ گیا اور ایک کم سن لڑکے کے سوا کوئی ملازم بھی جانوروں کی حفاظت کے لیئے وہاں نہ تھا۔ اسوقت موقع پاکر چور ہماری دو بھینسیں کھول کر لے گیئے۔ والدمرحوم کو کوئی پاؤ گھنٹے کے بعد اس وقوعہ کی اطلاع ہوئی اُسیوقت بخار کی حالت میں اُٹھے اور ایک دو آدمیوں کو ہمراہ لیکر جس رستہ سے چوروں کے آنے کا احتمال تھا۔ اُسطرف اونکا تعاقب کیا۔ رستہ میں تحصیل کے قریب معلوم ہوا کہ چند آدمی دو بھینسیں لیکر ابھی اسطرف سے گذرے ہیں۔ غرض تمام رات اس سرگردانی میں گاؤں گاؤں پھرتے رہے۔ جس میں کوئی دس بارہ میل کا چکر پڑا مگر بھینسوں کا کہیں پتہ نہ لگا۔ اور وہ صبح کو ناکام گھر واپس آگیئے۔

عفو مع القدرت

کسی دشمن یا مخالف پر قابو پانے کے بعد اُس سے درگذر کرنا ایک اعلیٰ درجہ کی جوانمردی ہے۔ اور ہر شخص کا کام نہیں ہے پچھلے چند سال میں، بعض اقارب نے اپنی نادانی اور ناعاقبت اندیشی سے والد مرحوم پر طرح طرح کے مقدمے قائم کرکے اونکو بہت تنگ کیا تھا۔ جسکی وجہ سے اونکو مقدمات کی پیروی یا مدافعت میں برخلاف اپنی عادات اور طبیعت کے مجبورًا عدالت کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ مگر جب کسی فوجداری مقدمے میں فریق مخالف کو اپنے سزایاب ہونے کا اندیشہ ہوا۔ اور اُسنے معافی مانگی۔ اور عدالت پر حق الامر ظاہر ہوگیا۔ والد مرحوم نے فورًا معاف کردیا۔ اور رحم کھاکر مقدمہ سے دست برداری اختیار کی۔

عفو مع القدرت کی ایک عجیب مثال

تقریبًا دو سال کا ذکر ہے کہ ایک عزیز نے جو ایک سرکاری عہدہ دار بھی ہے ایک معاملہ کی تحقیقات کے وقت ایک مقامی مجسٹریٹ کی موجودگی میں والد مرحوم کی نسبت چند ایسے الفاظ کہے تھے جو قانونی مواخذہ کی حد میں آسکتے تھے۔ والد مرحوم کو عدالت سے اس امر کی چارہ جوئی کرنی پڑی۔ ملزم کے سزایاب نہو جانے میں کوئی شبہ نہ تھا کیونکہ معاملہ بالکل سچا تھا اور ایک مجسٹریٹ گواہ تھا مسٹر طامسن صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر ضلع کرنال کو جسوقت اس امر کی اطلاع ہوئی تو صاحب موصوف نے والد مرحوم کی ذاتی وجاہت کے لحاظ سے تحصیلدار صاحب پانی پت سے خاص طور پر رپورٹ طلب کی۔ جسکی وجہ سے فریق ثانی کو زیادہ تر اندیشہ پیدا ہو گیا تھا الغرض عزیز مذکور نے اپنی حرکت پر پشیمانی ظاہر کی۔ اور شہر کی چاروں پٹیوں کے معزز آدمیوں کو جمع کرکے سب کے سامنے عاجزی کے ساتھ والد مرحوم سے معافی مانگی اور یہ کہا "مجھے آپ سے معافی مانگنے میں کوئی شرم نہیں ہے۔ آپ تو میرے باپ کی جگہ ہیں" والد مرحوم نے معافی دیدی اور یہ لکھا دیا کہ "میں بوجہ صلۂ رحم کے ملزم کا قصور معاف کرتا ہوں۔

عفو مع القدرت کی ایک اور اسی قسم کی مثال

اسی قسم کا ایک اور قابل ذکر واقعہ اب سے تقریبًا پانچ سال قبل پیش آیا تھا ایک عزیز نے جو انگریزی تعلیم یافتہ اور سررشتہ

انجینیری میں ایک معقول عہدہ پر مامور ہے - ایک دیوانی مقدمہ کے دوران میں چند ایسے
لغو-اور بیہودہ اور جھوٹے کلمات سر اجلاس والد مرحوم کی نسبت کہے تھے جو ایک شریف
انسان کی زبان سے کسی حالت میں نہ نکلنے چاہئیں - خاصکر حاکم عدالت اور مجسٹریٹ کی
روبرو - جسکی وجہ سے وہ دفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند کا مجرم قرار پا سکتا تھا - مگر وہ جو سنسکرت
کی مثل ہے ،، بناش کالے بپریت بدھی ،، یعنے

جب برا وقت آتا ہی تو عقل دشمن ہو جاتی ہے - مجرم کی عقل اُسوقت بالکل زائل ہو گئی
بعد میں اُسکو یہ خوف پیدا ہوا کہ خواجہ غلام عباس عدالت سے چارہ جوئی کرینگے تو اُس کو
ضرور سزا ہو جائیگی - کیونکہ ایک مجسٹریٹ اور اُسکا عملہ گواہ تھے اسلیئے اُسنے اپنے بعض
ہم جنسوں اور ہم مشربوں کے صلاح و مشورہ سے پیش بندی کے طور پر والد مرحوم
پر جھوٹا استغاثہ دائر کر دیا کہ انھوں نے مجھے رشوت خوار اور خائن کہا ہے - تاکہ بالمقابل
دعوی قائم ہو کر والد مرحوم کا مقدمہ خفیف پڑ جائے -

والد مرحوم کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُنھوں نے استغاثہ زیر دفعہ ۵۰۰ تعزیرات
ہند دائر کر دیا - فریق ثانی نے اپنے مقدمہ کی پیروی میں جھوٹے گواہ پیش کیئے - جنکی
شہادت جرح میں پاش پاش ہو گئی - ہمارا دعوی چونکہ بالکل سچا تھا - اور گواہ بھی سرکاری
عہدہ دار اور اعلی حیثیت کے تھے - فریق ثانی کے وکلا کی جرح نہ چل سکی غرض کہ
حاکم عدالت کو والد مرحوم کی صداقت کا پورا یقین ہو گیا - تو اُنھوں نے فریق ثانی کو
بہت دھمکایا اُسکو نہایت شرم و غیرت دلائی - اور والد مرحوم سے دریافت کیا کہ یہ ،،
شخص جس کے خلاف آپنے یہ استغاثہ دائر کیا ہے آپ سے کیا تعلق رکھتا ہے - اُنھوں
نے کہا ،، میرا افلاس رشتہ دار ہے اور میرے بیٹوں کے برابر ہے ،، حاکم نے پوچھا ،،
کیا آپ اسکو قید کرانا یا سزا دلانا چاہتے ہیں ؟ ،، والد مرحوم نے کہا نہیں - اسکے سزایاب
ہونے میں میری بے آبروئی ہے ،، حاکم نے کہا ،، پھر آپ نے اسکے خلاف مقدمہ کیوں
دائر کیا ہے والد مرحوم نے جواب دیا ،، مینے تو ان لوگوں کی نالائقی پر اسقدر صبر کیا ہے
کہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا اب مجبور ہو کر یہ دعوی کیا ہے آخر کوئی صورت میری رہائی کی بھی ہی

یہ لوگ مجھے دق نہ کریں انھوں نے اس طرح طرح کے مقدمے قائم کر کے مجھکو تنگ کر دیا ہے"
حاکم نے کہا "خیر اب یہ شخص معافی مانگتا ہے آپ اسکا قصور معاف کریں ہم اسبات کا انتظام
کر دینگے کہ آیندہ یہ لوگ آپکو دق نہ کرسکیں۔ الغرض والد مرحوم نے مجرم کو معافی دیدی
اور مقدمہ داخل دفتر ہوگیا۔

تحمل اور شجاعت کی ایک اور بے نظیر مثال

والد مرحوم کی شجاعت کے متعلق جسقدر واقعات اوپر بیان
کیئے گئے ہیں اونکے پڑھنے سے ثابت ہے کہ وہ حقیقی شجاع
تھے۔ شجاع اُس شخص کو نہیں کہتے جو خواہ مخواہ لوگوں سے اڑتا اور ہر شخص سے
لڑتا پھرے۔ شجاع وہی شخص ہے جو موقع مناسب پر اپنی مردانگی کے جوہر دکھائے۔
اپنے نفس پر پورا قابو رکھتا ہو۔ صبر کے موقع پر صبر۔ عفو کے موقع پر عفو۔ نرمی کے موقع پر نرمی
اور شدت کے موقع پر شدت سے کام لے۔ ذیل کا واقعہ جس سے والد مرحوم کی بردباری
اور دلیری دونوں صفتوں کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ قابل ذکر ہے۔

ان ہی مدعیوں نے جن کا حال اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اُسی زمانہ میں والد مرحوم کو
ستانے کی غرض سے ہمارے مکان کی دیوار کے عین نیچے اپنی ایک افتادہ زمین میں
چونے کی بھٹی لگوادی تھی۔ جسکا تمام دھواں ہمارے مکان میں بھر گیا اور گھر کے لوگوں
کا دم گھٹنے لگا۔ والد مرحوم نے مجبور ہو کر عورتوں اور بچوں کو دوسرے مکان میں پہونچا دیا
اور اُس مکان کو خالی کر دیا۔ اور نہایت نرمی سے کہا "بھائی بھٹی کے دھوئیں سے میرے
بال بچوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ یہاں بھٹی نہ لگاؤ تمہارے مکان کے متصل تمھارا
باغ موجود ہے وہاں بھٹی لگالو۔ ورنہ میرا باغ موجود ہے۔ میں وہاں بھٹی لگوا دونگا۔ چونا وغیرہ
اُٹھوا کر لے جانے میں جو خرچ ہوگا میں ادا کر دونگا۔ مجھے اپنا عزیز یا بزرگ نہیں سمجھتے ہو
نہ سمجھو آخر تمہارا ہمسایہ تو ہوں۔ ہمسایہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی بھی شریعت اسلام
میں بہت کچھ تاکید ہے"۔ مدعیوں نے دفع الوقتی کے طور پر اُسوقت تو کہدیا کہ دوسری
بھٹی یہاں نہیں لگائیں گے مگر چند روز بعد اونھوں نے پھر اوسی جگہ بھٹی لگوائی۔ والد مرحوم
نے پھر بھی نہایت نرمی سے کہا "تمنے خلاف وعدہ میرے مکان کے نیچے پھر بھٹی لگوا دی

اور میرے ننھے ننھے بچوں اور عورتوں کی تکلیف کا کچھ خیال نہ کیا۔ اس معقول اور سنجیدہ گفتگو کا جواب ملا تو یہ ملا کہ "ہم کو اپنی زمین کا اختیار ہے۔ آپکو ہمیں روکنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہم تو آیندہ سے اس زمین کو بھٹی والوں ہی کو دیں گے۔ ہم نے تو نہیں سنا کہ آپکے گھر کا کوئی آدمی دھوئیں سے گھٹ کر مرگیا ہو۔" والد مرحوم کو اس جواب پر غصہ تو بہت آیا مگر اُنھوں نے ابکی مرتبہ بھی بدستور صبر و تحمل سے کام لیا۔ مدعیوں کو والد مرحوم کے ستانے اور تنگ کرنے کی اور بھی زیادہ جرأت ہوگئی ادھوں نے یہ سمجھا کہ اب وہ ہم سے دب گئے۔ جہاں تک ہو سکے دل کھولکر ان کو دق کرنا چاہیئے۔ چنانچہ انھوں نے چند روز بعد ایک تیسری بھٹی اسی جگہ لگوائی۔ اس مرتبہ والد مرحوم کے غضب کی کوئی حد نہ تھی اُنھوں نے خیال کیا کہ میری نرمی اور درگذر کو یہ لوگ عجز پر محمول کرتے ہیں۔ اگرچہ شہر میں بھٹی لگانا قانوناً جرم ہے اور عدالت سے مدعیان کو سزا دلائی جا سکتی تھی۔ مگر فیصلہ عدالت کی وہی مثل ہوتی کہ

"تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود"

اسلیئے والد مرحوم نے اپنی طبعی جوانمردی سے کام لیا۔ گھر میں جسقدر پانی کے گھڑے تھے اُٹھا اُٹھا کر مشتعل بھٹی پر ڈال دیئے۔ پاس ہی نان بائیوں کی دوکانیں تھیں اون سے بھی پانی سے بھرے ہوئے مٹکے بھی اسی طرح خالی کر دیئے۔ اپنے سقہ کو حکم دیا کہ پاس کے کنوئیں سے مشکیں بھر بھر کے لائے۔ سقہ مشک لاتا جاتا تھا اور والد مرحوم اپنے کندھوں پر اٹھا اٹھا کر بھٹی میں چھوڑتے جاتے تھے۔ اسقدر پانی ڈالا کہ بھٹی کمزور ہوگئی اور آگ کے شعلے دب گئے۔ پانی پت کی تاریخ میں یہ واقعہ جوانمردی میں اپنی قسم کی پہلی مثال تھی۔ لوگوں نے ایسا واقعہ نہ کبھی آنکھوں سے دیکھا تھا اور نہ کانوں سے سنا تھا۔ اسلیئے اس عجیب وغریب تماشے کو دیکھنے کے لیئے لوگ جوق جوق جمع ہوگئے کہ ایک شخص تن تنہا اپنے مخالفوں اور اونکے حامیوں کی جماعت کا کچھ خوف و ہراس نہ لاکر حیرت انگیز دلاوری کے جوہر دکھا رہا ہے۔ مدعی اپنے حامیوں سمیت لاٹھیاں لیئے دور کھڑے تھے مگر والد مرحوم کے رعب اور دبدبہ کی وجہ سے پاس نہ آتے تھے والد

مرحوم نے فرمایا دیکھ لو میں بالکل تنہا ہوں (یہ کہکے چھتری جو اُسوقت ہاتھ میں تھی دور
پھینک دی) میں خالی ہاتھ تم لوگوں کو کافی ہوں مگر کسی شخص کی ہمت نہ ہوئی کہ اونکے
پاس آتا۔ آخرکار مدعیوں کو اسکے سوا چارہ نہ ہوا کہ اُنھوں نے والد مرحوم کے پاس آکر
ہاتھ جوڑے اور یہ کہا "جناب خواجہ صاحب! آپ کا ارادہ پورا ہوچکا۔ اب غصہ کو جانے
دیجیے اور ہمارا قصور معاف کر دیجیے"۔

پھر والد مرحوم نے اس امر کی چارہ جوئی عدالت سے نہیں کی تھی۔ مگر کچھ عرصہ کے
بعد غالباً پولیس کی رپورٹ پر صاحب ضلع کا یہ حکم آگیا کہ کوئی شخص شہر میں بھٹیاں نہ لگائے
ورنہ سزا کا مستوجب ہوگا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہم تینوں بھائیوں میں سے
کوئی اُسوقت پانی پت میں موجود نہ تھا۔ فریق ثانی میں سے تین بھائی بذات خود موجود تھے۔ اور
اونھوں سے شہر کے چند آوارہ اور بدمعاش آدمیوں کو بھی والد مرحوم سے فساد کرنے کے
لیے تنخواہیں دیکر نوکر رکھ چھوڑا تھا۔ مگر سچ انجام کار فتح ہوا۔

انسانی ہمدردی رحملی اور احسان کے چند واقعات

عام و خاص ہمدردی

ہمدردی کے معنے ہیں ایک دوسرے کے درد دُکھ میں شریک
ہونا یہ وصف ہر ایک انسان میں قدرتی طور پر ضرور موجود ہوتا ہے
بلکہ حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔ قدرت کا عام قانون ہے کہ جو قوتیں ہمکو عطا کی گئی
ہیں۔ اگر اونسے کام لیا جائے تو وہ ترقی کرتی ہیں اگر اونکو معطل چھوڑ دیا جائے تو کمزور
ہوجاتی ہیں یہانتک کہ رفتہ رفتہ تقریباً معدوم ہوجاتی ہیں۔ والد مرحوم میں ہمدردی کا
وصف بھی بدرجہ کمال تھا۔ اُن کی ہمدردی صرف عزیزوں یا دوستوں تک محدود نہ تھی
بلکہ اُسکا اثر ہر شخص پر پہونچتا تھا۔ دامے درمے۔ قدمے۔ قلمے ہر طرح لوگوں کو مدد
دینے کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ غریب عزیزوں اور دوستوں وغیرہ کے ساتھ
مالی امداد کرتے تھے مگر جنکو مالی امداد کی ضرورت نہ تھی اون کے کاروبار میں حتی الامکان
مدد دیتے تھے

مولوی ابراہیم حسین مرحوم کی جائداد کا انتظام

مولوی خواجہ ابراہیم حسین قبلہ والد مرحوم کے اُستاد اور بہنوئی بھی تھے۔ مولوی صاحب موصوف کی عمر کا ایک حصہ سرکاری ملازمت کی وجہ سے امرتسر میں بسر ہوا تھا۔ اُنکی عدم موجودگی میں اُنکی زمین و زراعت وغیرہ کے کل کاروبار والد مرحوم کے سپرد تھے اور جب تک مولوی صاحب پنشن لیکر پانی پت واپس نہ آئے اُسوقت تک برابر انجام دیتے رہے۔

ملتان میں ایک عزیز کے مقدمہ میں پیروی

ایک عزیز ملتان میں ایک معزز عہدہ پر مامور تھے۔ ماتحتوں کی بد دیانتی۔ اور بعض افسروں کے تعصب کی وجہ سے اُنپر ایک سخت مقدمہ آپڑا۔ اس موقع پر عزیز موصوف کے والد نے حتی الامکان مالی امداد دی مگر کوئی شخص ایسا نہ نکلا جو جان سے مدد دیتا یہ فخر والد مرحوم ہی کو حاصل ہوا اونھوں نے عزیز موصوف کے ساتھ کامل سترہ مہینے دن کے چین اور رات کی نیند کو اپنے اوپر حرام کرلیا۔ رات کو دعائیں مانگتے اور عمل پڑھتے۔ دن بھر مقدمہ کی پیروی میں سرگرداں و پریشان رہتے۔ چونکہ بازار کی چیزیں کھانے سے احتیاط کرتے تھے۔ اکثر اوقات خشک روٹی پر قناعت کرتے یا چنے چبا کر دن کاٹ دیتے۔ مقدمہ کے آخری فیصلہ تک سایہ کی طرح عزیز موصوف کے ساتھ رہے۔ اور مقدمہ کی پیروی میں ہر قسم کی مدد دیتے رہے اس مقدمہ میں بہت روپیہ صرف ہوا مگر انجام کار بفضلہ تعالی وہ مقدمہ سے بالکل بری ہوگئے۔ والد مرحوم اس مقدمہ کے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔ اور یہ کہا کرتے تھے کہ میں نے متواتر سترہ ماہ تک جو طرح طرح کی مصیبتیں جھیلی ہیں اُن کو یا تو میرا دل جانتا ہے۔ یا وہ شخص جانتے ہیں۔ جن کے لیئے میں نے یہ تکلیفیں اُٹھائیں ہیں۔ مگر والد مرحوم نے مقدمے کے انجام بخیر ہونے کو اپنی محنت و مشقت کا کافی معاوضہ سمجھا۔

ایک دوست کے لڑکے کی ضمانت

حال ہی میں ایک دوست نے آکر کہا "میں اپنے لڑکے کو سررشتۂ ڈاک میں نوکر رکھانا چاہتا ہوں۔ ڈھائی ڈھائی سو

روپیہ کی دو ضمانتیں درکار ہیں - ایک ضمانت میں خود داخل کرتا ہوں - دوسری ضمانت آپ کریں - والد مرحوم نے عدالت میں جاکر فوراً مطلوبہ ضمانت داخل کردی -

نتھو سنگھ جاٹ کے لڑکے کی سفارش

مسمی نتھو سنگھ جاٹ جو پانی پت کے قریب آٹا نامے ایک موضع کا رہنے والا ہے - نہایت غریب آدمی ہے - اُسکا ایک لڑکا مدرسہ پانی پت میں تعلیم پاتا تھا والد مرحوم کو نتھو سنگھ سے کچھ واقفیت ہوگئی تھی - سید ظفر علی صاحب ہڈ ماسٹر کا بیان ہے کہ خواجہ غلام عباس صاحب نے مجھسے نتھو سنگھ کے لڑکے کی سفارش کی اور یہ کہا کہ "یہ شخص نہایت مفلس ہے آپ اس لڑکے کی فیس معاف کردیں" میں نے جواب دیا کہ بوقت گنجائش خیال کرونگا - خواجہ صاحب نے فرمایا "معافی کا موقع تو آتے ہی آتے آئےگا - ایسا نہ ہو اس عرصہ میں اُس سے فیس طلب کی جائے اور عدم ادائے فیس میں اُسکا نام خارج ہوجائے - اگر ایسا موقع ہو تو مجھ سے اسکی فیس منگا لینا" سید صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے خواجہ صاحب کو اسقدر مصر پایا تو اُس لڑکے کی فیس بہت جلد معاف کردی -

ایک غریق کی جان بچانا

قصبہ کیرانہ (ضلع مظفرنگر) **پانی پت** سے دس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے - راستہ میں دریائے جمنا آتا ہے بیس پچیس سال پہلے ایک برات کیرانہ سے پانی پت آرہی تھی - والد مرحوم بھی برات میں شامل تھے - اتفاق سے ایک عزیز دریا میں گر پڑا - اُسوقت عزیز موصوف کے حقیقی ماموں و دیگر قریبی رشتہ دار موجود تھے - مگر غریق کی جان بچانے کے لیئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا کسی نے گوارا نہ کیا - والد مرحوم باوجودیکہ تیرنا نہ جانتے تھے جوش ہمدردی سے بیخود ہوکر دریا میں کود پڑے - اور عزیز مذکور کو پکڑ کر کنارہ کی طرف کھینچنا چاہتے تھے کہ خود اُنکے پاؤں اُکھڑ گئے اور دونوں دریا میں بہنے لگے کہ کچھ فاصلہ پر کنارہ کے قریب پانی پایاب تھا وہاں جاکر بدقت تمام دونوں پانی سے زندہ سلامت نکلے -

ایک معذور اور اپاہج آدمی کے ساتھ ہمدردی

ایک دفعہ والد مرحوم نے ایک اندھے اور لنگڑے آدمی کو سڑک کے کنارے پر بیٹھے دیکھا - دریافت کرنے سے

معلوم ہوا کہ وہ کہیں جانا چاہتا - اور اوسکے پاس خرچ نہیں ہے - والد مرحوم نے اپنے پاس سے کرایہ دیکر اُسکو گاڑی میں سوار کرادیا - اور خود اُسکو اپنی گود میں اوٹھا کر گاڑی میں بٹھادیا گاڑی کے محافظ کو تاکید کردی کہ اوسکو احتیاط کے ساتھ جہاں وہ جانا چاہتا ہے پہونچادیا جائے -

طاعون اور ہیضہ کے زمانہ میں غربا وغیرہ سے ہمدردی

سالگذشتہ اپریل ۱۹۱۵ء جبکہ پانی پت میں مرض طاعون کا زور تھا - ہمارے محلہ کے گھوسیوں اور رانگیوں میں بہت سے آدمی مر گئے - والد مرحوم نے اونکو ترغیب دیکر شہر سے باہر بھجوادیا طاعون زدہ مقامات میں آمد و رفت رکھنے کے سبب اُونپر بھی طاعون کے آثار نمودار ہوئے اُنھوں نے لوگوں کو اسکی خبر نہ کی - مگر چند روز بعد اونکو خود بخود آرام ہوگیا -

والد مرحوم کے انتقال سے چند روز بعد ایک گھوسی نے مجھسے یہ واقعہ بیان کیا کہ جب ہم لوگوں میں طاعون پھیلا ہوا تھا میاں (خواجہ غلام عباس) ہمارے پاس آئے اور ہمپر تاکید کی کہ اس جگہ سے اُٹھ جاؤ - ہم نے کہا میاں! بیماری خدا کی بھیجی ہوئی ہے اگر زندگی ہے تو یہاں بھی زندہ رہیں گے - اگر موت کا وقت آگیا ہے تو کہیں بھی پناہ نہیں مل سکتی - موت سے بھاگ کر کہاں جائیں - خواجہ صاحب نے ہمسے کہا تم لوگ بیوقوف ہو - اس بیماری کو ایسا سمجھو جیسے آگ - کسی جگہ آگ لگ جائے تو جیسے اس جگہ کو چھوڑنا ضروری ہے - اسی طرح طاعون زدہ مقام کو بھی چھوڑ دینا چاہیے - خدا نے آگ کو پیدا کیا ہے تو اوس سے بچنے کا بھی حکم دیا ہے - اس نصیحت کا ہم پر اسقدر اثر ہوا کہ ہم گھر چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے - ورنہ ہمارا ارادہ گھر چھوڑنے کا نہ تھا -

اسی طرح چند سال پہلے ہیضہ کا زور تھا - اسوقت بھی والد مرحوم نے اقارب اور احباب کی خبر گیری میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا -

مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ ہمدردی اور احسان -

اگرچہ عزیزوں اور دوستوں وغیرہ کے ساتھ ہمدردی رکھنا ایک عمدہ وصف ہے اور جس شخص میں یہ وصف پایا جائے اُسکا وجود فی زمانہ نہایت غنیمت ہے - مگر انسان کو اپنے

مخالفوں اور دشمنوں سے خاصکر اُن لوگوں سے جو اُسکو متواتر تکلیفیں پہونچانے پر آمادہ آمادہ رہیں سخت نفرت ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ موقع کا متوقع رہتا ہے کہ جسطرح ہو اونکو نیچا دکھایا جائے۔ اونکے ساتھ ہمدردی یا احسان کرنا تو درکنار اون سے انتقام لینے کے لئے ناجائز کارروائیوں سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ والد مرحوم خدا کے اُن خاص بندوں میں سے تھے جو اپنے دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف بلکہ احسان و مروت کے طریقہ کو مرعی رکھنے میں کبھی دریغ نہیں کرتے۔ ذیل کے چند واقعات اس بات کی تائید میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔

ایک عزیز کے ساتھ باوجود اُسکی مخالفت کے تازیست سلوک اور اُسکے پس ماندگاں کی خبر گیری

تقریبًا بیس سال کا عرصہ ہوا ایک عزیز نے جو نہایت تنگدست تھے - ایک دیوانی مقدمہ ہمارے خلاف عدالت میں دائر کر دیا تھا حالانکہ بروئے شریعت جسکے فریقین پیرو تھے - اونکو اس دعوی کا کوئی حق حاصل نہ تھا۔ والد مرحوم کو اس مقدمہ کی جوابدہی کرنی پڑی - عزیز موصوف والد مرحوم سے عمر میں بہت بڑے تھے۔ دورانِ مقدمہ میں والد مرحوم کو اکثر سخت سُست الفاظ کہا کرتے - مگر وہ کبھی اُلٹ کر سخت جواب نہ دیتے - جب مقدمہ کو بہت طول ہو گیا اور فریق ثانی کو بھی خرچ کی تنگی نے سخت مجبور کر دیا تو والد مرحوم نے اُن سے فیصلہ کر لیا۔ اگرچہ فیصلہ فریق ثانی کے حسب منشا ہوا تھا - مگر اُنکو کچھ مالی فائدہ نہ ہوا - جیسا کہ عدالت کے جھگڑوں کا عام طور پر نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

ایک دفعہ دورانِ مقدمہ میں جبکہ اُون کی سخت کلامی حد سے بڑھ گئی تو والد مرحوم نے اِس کا جواب اِن الفاظ میں دیا تھا۔ "خدا مجھے توفیق دے کہ میں آپکی خدمت بجا لاؤں - آپ کے ساتھ سلوک اور احسان کروں - بُرائی کے بدلے آپ کے ساتھ بھلائی کروں" والد مرحوم نے جو کچھ کہا تھا پورا کر دکھایا۔ بعد انفصال مقدمہ عزیز موصوف کے ساتھ اونکی تنگدستی کی وجہ سے تازیست سلوک کرتے رہے - اور اُن کے انتقال کے بعد اونکی تجہیز و تکفین کے کفیل ہوئے اور اُن کے پس ماندگان کے ساتھ بھی

احسان اور سلوک کرتے رہے۔

مخالف کے ساتھ ہمدردی کی ایک اور عجیب مثال

والدمرحوم کے انتقال سے چند مہینے پہلے کا ذکر ہے کہ پڑوس کے ایک مکان سے جو ہمارے گھر کے متصل واقع ہے آئے دن "چور چور" کا شور وغل سننے میں آتا تھا اور ہر روز رات کے وقت گھر میں پتھر آتے تھے۔ یہ اون ہمسایوں کا مکان ہے جنھوں نے والدمرحوم پر طرح طرح کے مقدمے قائم کرکے کئی سال سے اونکو سخت تنگ کر رکھا تھا اور تکلیف دینے میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔

ایک روز رات کے وقت ان ہی پڑوسیوں میں سے ایک شخص بے تحاشا "چور چور" کا غل مچاتا ہوا گلی میں آنکلا۔ پہرے کے سپاہی کو اور نیز ہمارے ملازمونکو جو بیل خانہ میں سوتے تھے آوازیں دینی شروع کیں۔ اسوقت والدمرحوم مرض الموت میں مبتلا تھے۔ اور بخار کی حالت میں گھر میں لیٹے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے سمجھا کہ اسوقت اس شخص کو مدد کی ضرورت ہے۔ فوراً باہر نکل آئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ننگے سر گلی میں کھڑا ہے۔ اور ہوش وحواس بجا نہیں ہیں۔ والدمرحوم نے اوس شفقت وہمدردی سے جو اُن کی طبعیت میں خاص طور پر ودیعت کی گئی تھی فرمایا "تم اس سردی کے وقت میں برہنہ سر کیوں باہر نکلے ہو؟ اگر کوئی چور سر پر لٹھ مار دے تو کیا ہو؟ جاؤ سر کو دوپٹہ باندھکر آؤ"، چنانچہ اُسنے اُن کی نصیحت پر عمل کیا۔ والدمرحوم نے اسی ہمدردی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اُسی تکلیف کی حالت میں دشمن کے مکان میں آگئے جہاں ایک عرصہ دراز سے اونکو جانے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ مگر وہاں کسی چور کا پتا نہ ملا۔

امر حق میں مخالفوں کے ساتھ ہمدردی

حال میں ان لوگوں کے کرایہ داروں نے جو کوٹلہ شیر افگن خاں میں رہتے ہیں اور راوت کہلاتے ہیں کرایہ ادا کرنے سے بالکل انکار کر دیا تھا۔ جسکی نوبت عدالت تک پہونچی تھی۔ راوتوں نے یہ عذر پیش کیا کہ ہم سیکڑوں برسوں سے اس جگہ آباد ہیں تمام مکانات ہمارے موروثی ہیں۔

ہم نے کبھی کرایہ نہیں دیا،" مگر ان کا بیان سراسر غلط تھا۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ اُن کے
فریق مخالف نے والد مرحوم کو بہت تکلیفیں پہونچائی تھیں۔ وہ اس خیال سے کہ دشمن کا
دشمن بھی دوست ہی ہوتا ہے۔ والد مرحوم سے آکر کہنے لگے "میاں! تمہارے دشمنوں کے
ساتھ ہمارا مقدمہ ہے اِس مقدمہ میں ہماری مدد کرو۔ اور صلاح دو کہ کیا کرنا چاہیئے۔
والد مرحوم ایک راستباز آدمی تھے۔ اُن سے ایسی توقع رکھنا کہ وہ جھوٹے معاملہ میں کسی
شخص کا ساتھ دیں خیال محال تھا۔ اُنھوں نے جواب دیا "تم لوگ جھوٹے ہو۔ میں تمہاری
مدد نہیں کرسکتا۔ میری صلاح یہی ہے کہ اس جھوٹے مقدمہ کو چھوڑ دو۔ ورنہ نقصان
اُٹھاؤگے" اسپر وہ لوگ واپس چلے گئے۔ اور جیسا والد مرحوم نے فرمایا تھا وہی ہوا۔
یعنے راوت مقدمہ ہار گئے۔

احسان بلا معاوضہ

چند سال پہلے بھی ان ہی عزیزوں کے ساتھ اون کے بعض
دوسرے کرایہ داروں نے جو شیشہ کا کام کرتے ہیں شرکشی کی تھی اور اونکو کرایہ
دینے سے صاف انکار کردیا تھا۔ مگر والد مرحوم نے ان لوگوں کو دھمکا کر جدید کرایہ نامہ
لکھوا دیئے تھے۔ اسوقت تک عزیزان موصوف نے والد مرحوم سے کوئی جھگڑا فساد نہ کیا
تھا۔ اب کہ وہ والد مرحوم سے برسرِ پرخاش ہوئے۔ تو ان کرایہ داروں نے از راہ طعن
کہا خواجہ صاحب! آپ نے اوس موقع پہ ہمارا ساتھ نہ دیا اور اپنے رشتہ داروں کا لحاظ
کیا۔ دیکھیئے اُنھوں نے آپکے ساتھ کیا کیا؟ ایسے احسان فراموش آدمیوں کے ساتھ
احسان کرنے کا آپکو کیا پھل ملا؟ اگر اونکے مقابلہ میں آپ ہماری حمایت کرتے تو ہم
عمر بھر آپ کے شکر گذار رہتے۔" والد مرحوم نے کہا "تم لوگ نادان ہو۔ میں نے اون
ساتھ اسوجہ سے نہیں دیا تھا کہ وہ میرے رشتہ دار ہیں بلکہ یہ وجہ تھی کہ وہ حق پر
اگر تم بھی کسی سچے معاملہ میں مجھ سے مدد کے طالب ہو تو میں تمہاری مدد کے لیئے بھی
اسی طرح آمادہ ہوں۔ کوئی شخص میرا احسان مانے یا نہ مانے۔ مجھے اس بات کی پ
نہیں ہے۔ میں کسی شخص سے معاوضہ کی امید پر نیکی نہیں کیا کرتا۔ بلکہ اپنے خ
اُسکا اجر چاہتا ہوں۔

بدعا کے عوض میں دعائے خیر

ہمدردی کا ایک اعلیٰ درجہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنے دشمنوں اور بدخواہوں کے ساتھ بھی دشمنی یا بدخواہی نہ کرے۔ بلکہ اُن کے لیے دعائے خیر کرے - جو بات اپنے لئے چاہتا ہو وہی اُن کے لئے چاہیئے۔ والدمرحوم اپنے بدخواہوں کے لئے بھی دعائے خیر کیا کرتے تھے۔ اور کسی کو عاقبت کی بددعا نہیں دیتے تھے ایک دفعہ کسی نے از راہ ناعاقبت اندیشی والدمرحوم کو اولاد کی بابت سخت بددعا دی۔ اُنھوں نے کہا "میں تمکو دعا دیتا ہوں کہ خدا کرے، تمہارے ایک بیٹے سے سات گاؤں بسیں۔ ؎

گر کسے در راہ تو خارے نہد تو گل نہی

او سزائے خار یابد تو جزائے گل بری

میت کی تجہیز وتکفین میں امداد

تندرستوں کی خبرگیری۔ اور بیماروں کی تیمارداری سے علاوہ مُردوں کی خدمت کرنے میں بھی والدمرحوم نے حتی المقدور کوتاہی نہیں کی۔ کسی عزیز یا دوست کے انتقال کی خبر سنکر اُسکی تجہیز وتکفین میں مدد دینے کے لئے فوراً آمادہ ہوجاتے۔ ہماری قوم میں جتنے مردوں کو والدمرحوم نے اپنے ہاتھ سے غسل دیا ہے۔ شاید اور کسی نے نہیں دیا۔ اونکا قول تھا کہ مردے کی اس آخری خدمت بجالانے میں کسی شخص کو حتی المقدور پہلوتہی نہ کرنی چاہیئے۔

راستی اور دیانت وامانت کی بعض قابل تقلید واقعات

راستی

راستی ایک نہایت شریف خصلت ہے یہ خصلت صرف قول تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ قول وفعل دونوں میں راستی کی ضرورت ہے۔ والدمرحوم نے مدت العمر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ نہ صرف جھوٹ بلکہ جھوٹے آدمیوں سے بھی اونکو سخت نفرت تھی۔ یہ صفت کسی حالت میں پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ شہر کے سب آدمی اونکی راستی اور دیانتداری سے بخوبی واقف تھے

سچ بولنا ہر وقت عمدہ بات ہے۔ مگر جہاں پر اپنا نقصان ہوتا ہو وہاں سچ بولنا خاصکر

قابل تعریف ہے - بدقسمتی سے مقدموں میں جھوٹ بولنا یا جھوٹی گواہی دینا آجکل معیوب نہیں سمجھا جاتا - بلکہ بہت سے ایسے آدمی بھی جو مذہبی پابندی اور دینداری کا دم بھرتے ہیں - اس مرض میں مبتلا پائے جاتے ہیں - والد مرحوم نے کسی مقدمہ میں بھی راست گوئی کو کبھی ہاتھ سے نہیں دیا - خواہ اُس میں کوئی نفع ہو خواہ نقصان - اور راستی ہی کی بدولت خدا نے اُن کو ہر ایک معاملہ میں کامیاب کیا -

ایک دفعہ کسی مقدمہ کی پیشی کے وقت فریق ثانی نے والد مرحوم سے کوئی سوال کیا جس کے جواب میں اُنھوں نے صاف صاف اصل حقیقت بیان کر دی - یہ بیان اونکے حق میں مضر تھا - مگر اُن کو اپنا نقصان منظور تھا خلاف واقعہ بیان کر کے فائدہ اُٹھانا ناگوارا نہ کر سکتے تھے - عدالت نے والد مرحوم کی راستی کی قدر کی - اور ایک بیرسٹر (غالبًا مسٹر سندر لال) اُسوقت عدالت میں موجود تھے - اور کسی فریق کی طرف سے پیروکار نہ تھے والد مرحوم کی گفتگو کو سن کر بول اُٹھے "خواجہ صاحب! ہمنے تو کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو عدالت میں اپنے خلاف بات کو اسقدر صفائی کے ساتھ بیان کر دے - اگر کوئی شخص اپنے خلاف سچی بات بیان کرتا بھی ہے تو بہت کچھ اینچ پیچ کے ساتھ - آپ نے تو کھُلم کھُلا صحیح صحیح حالات بتا دیئے" والد مرحوم نے جواب دیا "جناب! میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا - عدالت کو اختیار ہے جو چاہے فیصلہ کر دے -

حقوق اللہ اور حقوق العباد

انسان کے تعلقات کو دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں - ایک تعلق اوسکو اپنے خالق کے ساتھ ہے - اور دوسرا مخلوق کے ساتھ ان دونوں تعلقات کی وجہ سے ایک انسان پر دو ہی قسم کے حقوق عائد ہوتے ہیں - اول حقوق اللہ یعنے خدا کے حقوق جیسے نماز - روزہ - حج - زکواۃ وغیرہ دوم حقوق العباد یعنے بندوں کے حقوق - یا یوں کہو کہ مخلوقات کے ساتھ حسن سلوک - اگرچہ ان دونوں تعلقات میں پوری پوری تفریق کرنا محال ہے - بلکہ مختلف اعتبارات سے وہ ایک دوسرے کی ذیل میں داخل ہو سکتے ہیں تاہم آسانی کے لیئے اُنکی جداگانہ دو قسمیں قرار دی گئی ہیں -

حقوق اللہ کے ادا کرنے میں والد مرحوم کو جیسا اعلیٰ درجہ کا شوق تھا اُسکی کیفیت پہلے بیان ہو چکی ہے - جسکا نتیجہ یہ تھا کہ وہ صوم وصلواۃ وغیرہ احکام شرعی کے تمام عمر پابند رہے - مگر اونکو حقوق العباد کا اُس سے بھی بڑھکر خیال تھا - فرمایا کرتے تھے کہ " عبادت میں ہماری اپنی بہبودی ہے - خدا کو ہماری عبادت کی کچھ پروا نہیں ہے اگر عبادت میں ہمسے کچھ قصور ہو جائے - تو خدا اوسکو اپنی رحمت سے معاف کر دے گا مگر حقوق العباد ایسی شے ہے جسکو خدا بھی معاف نہیں کرتا - جب تک کہ خود وہ شخص جسکی حق تلفی کی گئی ہے معاف نہ کرے " یہ مسئلہ حسن معاشرت کی روح رواں ہے - اگر لوگ اسپر پوری طرح کاربند ہو جائیں - تو وہ تمام فضائل اخلاق کو حاصل کر سکتے ہیں - جنکی دنیاوی معاملات میں ضرورت ہے - بالخصوص عدل و انصاف جو تمام فضائل اخلاق کا سرچشمہ ہے - اور عملاً دیانت کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے یہ وصف والد مرحوم میں ایسا کامل تھا کہ اُس سے بڑھکر دیکھا نہیں جاتا -

حقوق العباد کی عظمت

آجکل اکثر لوگ حقوق العباد کی طرف سے غافل ہیں اور دیانت داری خاصکر مسلمانوں سے (میرے مسلمان بھائی مجھے معاف کریں) معدوم ہوتی جاتی ہے - اگر یہی لیل و نہار ہے - اور مسلمانوں نے اپنی اخلاقی حالت کو نہ سنبھالا - تو اونکی ڈوبتی ناؤ کا خدا ہی حافظ ہے - والد مرحوم کی زندگی کے مفصلہ ذیل واقعات آجکل کے مسلمانوں کے لیئے بالخصوص قابل توجہ ہیں - ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ عموماً دوسروں کا حق دبانے میں بڑے دلیر ہیں - طرح طرح کے حیلوں سے یتیموں اور بیکسوں کا مال کھا جاتے ہیں - کمزوروں پر ظلم و ستم کرتے ہیں - قیامت کے مواخذہ سے نہیں ڈرتے - اور اپنے افعال سے یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ ہمیشہ اسی دنیا میں رہنا ہے - عالم آخرت کوئی چیز نہیں - نماز روزہ وغیرہ احکام کی پابندی چونکہ زبانی جمع خرچ ہے - بہتیرے مسلمان خاص مستعدی سے اونکو بجا لاتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسانی اعمال کو حقوق العباد کی کسوٹی پر نہ کسا جائے - اُونکا کھرا یا کھوٹا ہونا معلوم نہیں ہو سکتا - اَلْاِنْسَانُ یُعْرَفُ بِالْمُعَامِلَاتِ لَا بِالْعِبَادَاتِ (انسان معاملات سے

پہچانا جاتا ہے نہ کہ عبادات سے) یہی وجہ ہے کہ مذہب اسلام نے حقوق العباد کو حقوق اللہ پر مقدم رکھا ہے) مگر افسوس کتنے آدمی ہیں جو اس بات کو سمجھتے اور اُس پر عمل کرتے ہیں۔ آجکل مسلمانوں کے حال پر وہی مثل صادق آتی ہے کہ "مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب"، ؎

بدینار بے چو خر در گل بمانند
وگر الحمد گوئی صد بخوانند

والد مرحوم کا ایک معاملہ میں پنچ مقرر ہونا

پنڈت پارا پرشاد سونی پتی اور چودھری ریاست علی خاں مرحوم کے درمیان ایک باغ کی تقسیم کے متعلق تنازع درپیش تھا۔ پنڈت صاحب موصوف نے والد مرحوم سے کہا "میں اس معاملہ میں آپکو پنچ کرنا چاہتا ہوں"، والد مرحوم نے جواب دیا "آپ مجھے پنچ مقرر نہ کریں۔ کیونکہ میں کسی شخص کے حسب منشار فیصلہ نہیں کروں گا۔ بلکہ جو بات میرے نزدیک حق ہوگی۔ وہی کرونگا"۔ پنڈت صاحب نے کہا "میں بھی یہی چاہتا ہوں اور اسی وجہ سے اس فیصلہ کے لئے میں نے آپکو منتخب کیا ہے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کسی فریق کی رعایت نہیں کرینگے۔ میں رعایت نہیں چاہتا بلکہ انصاف چاہتا ہوں۔ والد مرحوم نے اس شرط پر پنچ ہونا منظور کیا۔ اور ایسا فیصلہ کیا جس سے فریقین رضامند ہو گئے۔

لمبرداری کا مقدمہ اور والد مرحوم کی دعا

قصبہ پانی پت کی انصار پٹی میں قدیم سے دو لمبردار چلے آتے تھے۔ ۱۸۸۰ء کے بندوبست میں لمبرداری کی دو جدید آسامیاں تجویز کی گئیں۔ جن کے لئے چار امیدوار تھے۔ از آنجملہ ایک والد مرحوم تھے۔ صاحب مہتمم بندوبست نے اونکی درخواست کو محض اس بنا پر نامنظور کر دیا کہ آپ کے خاندان میں پہلے ہی دو لمبردار موجود ہیں۔ اسلئے آپکو لمبرداری نہیں ملسکتی" اور یہ بھی کہا گیا کہ ان لمبرداریوں میں سے جب کوئی خالی ہوا اسوقت آپ کے حقوق پر لحاظ ہو سکتا ہے۔

جس بنا پر والد مرحوم کی درخواست نامنظور ہوئی تھی۔ وہ اونکے نزدیک درست

نہ تھی۔ اُنھوں نے اسکا اپیل کیا۔ مولوی **سلامت اللہ** مرحوم اور بعض دیگر اشخاص نے بھی (جو ابتدائی عدالت سے ناکامیاب رہے تھے) اپیل کیا تھا جبوقت مقدمہ اپیل میں پیش ہونیوالا تھا۔ والد مرحوم نے وضو کر کے نماز پڑھی اور نہایت عاجزی سے درگاہ الٰہی میں یہ دعا مانگی "پروردگارا! اگر میری نمبرداری سے تیری مخلوق کو کچھ نفع پہونچتا ہے تو مجھے نمبرداری مل جائے۔ لیکن اگر اس عہدہ کی وجہ سے میرے ہاتھوں تیرے بندوں کی حق تلفی یا اُنپر ظلم ہو۔ تو میں ایسی نمبرداری نہیں چاہتا جو عاقبت میں میرے لئے وبال کا باعث ہو" **مولوی سلامت اللہ** مرحوم جو اُسوقت موجود تھے اس دعا کو سن کر بول اُٹھے "بھائی **غلام عباس**! آفرین۔ ایسی دعا مانگنا تیرا ہی حوصلہ ہے۔ ہماری زبان سے تو ایسے الفاظ نہیں نکل سکتے"۔ قصہ کوتاہ والد مرحوم کا اپیل نامنظور ہوا اور مولوی سلامت اللہ نمبردار مقرر ہو گئے۔

جو لوگ نمبرداری کے مخصوص سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ نمبرداروں کو بعض اوقات کیسی ناکردنی کارروائیاں کرنی پڑتی ہیں وہ اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکیں گے کہ والد مرحوم جیسے شخص کے لئے عمر بھر اپنے قول و فعل سے ہمیشہ امر حق کی تائید کی ہو اور ہر خلاف امر حق میں نہ صرف خاموشی اختیار کی ہو۔ بلکہ اپنی پوری طاقت سے اُسکی مخالفت کی ہو۔ نمبرداری کے کام کو باقاعدہ انجام دینا سخت دشوار ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے اونکی دعا کو قبول کیا اور اونکو اس دقت سے محفوظ رکھا۔

میونسپل کمشنری کے فرائض کی انجام دہی

تخمیناً بیس سال کے عرصہ سے پنجاب میں **لوکل سلف گورنمنٹ** قائم ہے۔ کمیٹی کی ممبری کے انتخاب کے لئے امیدواروں کو بڑی بڑی کوششیں کرنی پڑتی ہیں۔ والد مرحوم کو ہر کس و ناکس کی خوشامد کرنا یا دباؤ ڈالکر لوگوں کی رائیں حاصل کرنا گوارا نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے ممبری کی کبھی خواہش نہیں کی۔ مگر ایک دفعہ والد مرحوم کے ماموں خواجہ صفدر علی صاحب نے خود کوشش کر کے اونکو منتخب کرا دیا تھا۔ ممبری کے زمانہ میں ایسی دیانتداری اور خوش اسلوبی سے اپنے فرائض کو انجام دیا کہ میونسپلٹی

کا عملہ اور اہل شہر سب خوش رہے۔ ہر شخص کا کام نکال دینے میں جہاں تک قانون اجازت دیتا۔ سرگرمی کے ساتھ مستعدی ظاہر کرتے تھے۔ کمیٹی کے اجلاسوں میں بارہا ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ بہت سے ممبر کسی خاص رائے پر جمے ہوئے ہیں۔ اور والد مرحوم نے تقریر شروع کی۔ تو اونکی تقریر سے جملہ ممبروں کو اتفاق کرنا پڑا۔ تین سال کے بعد جب جدید انتخاب کا وقت آیا۔ تو والد مرحوم نے خود ہی ممبری سے انکار کر دیا اگرچہ بہت سے لوگ اپنی خوشی سے اونکے حق میں رائے دینی چاہتے تھے۔ مگر کمیٹی کے بعض اندرونی حالات اس قسم کے تھے کہ اُنھوں نے آیندہ ممبر رہنا قبول نہ کیا **سید نذیر علی صاحب** دہلوی تحصیلدار انتخاب ممبران کے کام پر متعین تھے۔ والد مرحوم نے سید صاحب موصوف کے روبرو جاکر ممبری سے انکار کر دیا اور جسقدر رائیں اونکی طرف تھیں وہ سب دوسرے امیدوار کے حق میں دلا دیں۔ تحصیلدار صاحب نے والد مرحوم کی عالی ہمتی کی داد دی اور یہ کہا میں نے کئی حلقوں کے ممبروں کا انتخاب کیا ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ لوگ ممبری پر دم دیتے ہیں اور کوئی شخص اپنی خوشی سے ممبری نہیں چھوڑتا۔ بلکہ آخری وقت تک سر توڑ کوشش میں لگا رہتا ہے۔ آپکی مثال قابل تقلید ہے۔

معاملہ کی صفائی اور والد مرحوم پر لوگونکا اطمینان

والد مرحوم کی دیانت پر اہل شہر کو اسقدر بھروسا تھا کہ اگر اونکا کوئی آدمی کسی دوکاندار سے کوئی شے اونکے نام سے قرض طلب کرتا تھا۔ تو وہ بغیر کسی پیش و پس کے فوراً وہ شے اُسکے حوالہ کر دیتا تھا۔ والد مرحوم کے انتقال کے بعد ایک معمار نے مجھسے بیان کیا کہ جب کبھی ہم لوگوں نے خواجہ غلام عباس صاحب کے نام سے عمارت کا مصالح کاٹ کباڑی۔ اینٹ۔ چونا وغیرہ خواہ کتنی ہی رقم کا طلب کیا دوکانداروں نے ہم کو بلا تامل دیدیا۔ بلکہ اگر ہمنے یہ بھی کہا کہ اسکی قیمت جلد نہیں ملیگی۔ تو اونھوں نے یہی جواب دیا کیا مضائقہ ہے۔ خواجہ غلام عباس صاحب ہمکو خود روپیہ دیدینگے ہم کو اُنسے مانگنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

پچھلے چالیس سال کے عرصہ میں والد مرحوم کو مختلف مختلف لوگوں ہندوؤں اور

نوٹ پڑھو وہ مولوی غلام المحسنین صاحب کے حصہ مسودے کا نمبر ۱۲ سے۔ اسوجہ سے یہ حالات اس نمبر میں ختم ہوئے۔ نمبر آیندہ صفحات ناسخ تتمہ روانہ ہوئے۔

مسلمانوں سے ہزارہا روپیہ کے لین دین کا اتفاق ہوا ہے - اور بعض اوقات روپیہ ادا کرنے میں تاخیر بھی ہوئی ہے - مگر قرض خواہوں نے کبھی پریشانی یا بے اطمینانی ظاہر نہیں کی - والد مرحوم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ آج تک کسی قرض خواہ نے مجھپر کبھی ایک پائی کی نالش نہیں کی - حالانکہ بعض قرضوں کے ادا کرنے میں بہت کچھ توقف بھی ہوا - یہ خدا تعالےٰ کا مجھپر بڑا احسان ہے "

ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ کسی شخص کو کسی ساہوکار سے روپیہ قرض لینے کی ضرورت ہوئی - تو اُسنے یہ جواب دیا ہے کہ اگر خواجہ غلام عباس تمھاری نسبت اپنا اطمینان ظاہر کردیں اُسوقت ہم تمکو روپیہ قرض دیسکتے ہیں -

لالہ بختاور مل مہاجن کے ساتھ والد مرحوم کا لین دین اور اُنکی دیانت داری

لالہ بختاور مل پانی پت کے ایک مشہور ساہوکار ہیں - زراعت کا کل خرچ والد مرحوم اُن ہی کی دوکان سے اُٹھاتے تھے - اور کوئی پینتیس ۳۵ سال تک ہزارہا روپیہ کا لین دین جاری رہا - لالہ صاحب موصوف ہمیشہ کہا کرتے تھے اور اب بھی کہتے ہیں کہ " میرا لین دین سیکڑوں آدمیوں کے ساتھ رہا ہے - میں نے عمر بھر میں خواجہ غلام عباس صاحب سے بڑھکر معاملہ کا سچا اور بات کا پکا کسی کو نہیں پایا - میں بعض اوقات رقمیں اپنی بہی میں درج کرنی بھول جاتا تھا تو حساب کتاب کے مقابلہ کے وقت خواجہ صاحب خود مجھ کو بتایا کرتے تھے کہ " لالہ! فلاں رقم جو فلاں موقع پر ہم نے لی تھی آپ درج کرنا بھول گئے ہیں - اور میں اونکے کہنے کے موافق اُن رقموں کو اپنی بہی میں درج کر لیتا تھا -

ایک پرانے قرضہ کا ادا کرنا جس کی دستاویز نہ تھی -

لالہ گودھا مل مہاجن کا کچھ قرضہ دادا مرحوم کے زمانہ سے چلا آتا تھا - والد مرحوم اس قرضہ کو ادا نہ کر سکتے تھے - یہ قرضہ مہاجن کی بہی میں درج تھا - اور کوئی تمسک نہ تھا - قانونی میعاد عارضی تھی اسلیئے وہ عدالت کے ذریعہ سے بھی اوسکو وصول نہ کر سکتا تھا - ایک روز میں والد مرحوم کے ساتھ بازار میں جا رہا تھا کہ گودھا مل کی دوکان کے پاس سے گذر ہوا - جب

جب دوکان سے کچھ دور آگے نکل گئے تو مجھسے فرمایا "میں اس شخص سے نہایت شرمندہ ہوں۔ والد کے زمانہ کا کچھ قرضہ اسکو دینا ہے۔ یہ مہاجن کبھی تقاضا نہیں کرتا۔ مگر میں جب اسکی شکل دیکھتا ہوں سخت شرمندہ ہوتا ہوں کہ کیوں آجتک قرضہ ادا نہ ہوا" میں نے عرض کیا آپ فکر نہ کریں۔ میں اس قرضہ کو باقساط ادا کرنے کا انتظام کردوں گا۔ چنانچہ پہلی قسط فوراً ادا کردی گئی اور کُل قرضہ خدا کے فضل سے آہستہ آہستہ ادا ہوگیا۔ جسکی وجہ سے مہاجن مذکور آج تک شکر گذار ہے۔

ایک اور پرانے قرضہ کے ادا کرنے میں والد مرحوم کا بےنظیر ایثار

اسی طرح ایک اور قرضہ دادا مرحوم کے زمانہ کا خواجہ کریم الدین مرحوم کو ادا کیا جاتا تھا۔ جسکی کوئی باضابطہ دستاویز نہ تھی۔ مگر مقررہ غلہ اون کو سال بسال دیا جاتا تھا۔ جدید نہر کی وجہ سے ہماری زمینیں خراب ہوگئیں تھیں۔ یہاں تک کہ زمین کی پیداوار سے آبیانہ نہر اور تخم کے دام بھی بمشکل وصول ہوتے تھے۔ اسلئے خواجہ کریم الدین مرحوم کو بہت کم غلہ وصول ہوتا تھا مگر اون کو اس بات کا کچھ خیال نہ تھا اس قرضہ کا ایک حصہ پہلے ادا ہوچکا تھا۔ خواجہ کریم الدین صاحب کے انتقال کے بعد اونکی بیٹیوں نے والد مرحوم سے باقی قرضہ طلب کیا تو اُنھوں نے فرمایا "یہ گھوڑی میرے پاس موجود ہی۔ اپنے قرضہ میں اسکو لے لو۔ میں اسوقت نقد روپیہ ادا نہیں کرسکتا" مرحوم موصوف کے بیٹوں نے خوشی سے اس بات کو منظور کیا اور گھوڑی لیکر چلے گئے۔ اس فیصلہ سے والد مرحوم بہت خوش ہوئے اور اُنھوں نے کہا "خدا کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ یہ پرانا قرضہ ایسی آسانی سے ادا ہوگیا جسکے ادا کرنے کی اسوقت اور کوئی سبیل نہ تھی۔

اس موقع پر یہ امر قابل لحاظ ہی کہ زراعت کی نگرانی کے لیئے والد مرحوم کے پاس کوئی نہ کوئی جانور ضرور رہتا تھا۔ کیونکہ بغیر سواری کے دور دراز کے کھیتوں پر جانا بہت مشکل تھا۔ گویا سواری اون کے لیئے ضروریات زندگی کا ایک بڑا جز تھا۔ مگر اُنھوں نے حقوق العباد سے سبکدوش ہونے کی غرض سے اپنی تکلیف کی مطلق پروا نکی۔

والد مرحوم کی دیانت کی ایک عجیب مثال

ہماری ایک زمین مبلغ ؁ کے عوض میں موضع پرست کے ایک سید صاحب کے پاس دادا مرحوم کے زمانہ سے رہن چلی آتی تھی مقررہ غلہ سال بسال انکو دیا جاتا تھا۔ پچھلے چند سال میں زمینوں کے ناقص ہوجانیکی وجہ سے

مرہتن کو پورا غلہ نہیں مل سکتا تھا جسکی بابت سید صاحب کو کچھ تکرار نہ تھی - کیونکہ وہ والد مرحوم پر اعتماد رکھتے تھے ایک سال جبکہ سید شبیر حسین جو اصل مرہتن کے وارث قائم مقام تھے - حسب معمول غلہ وصول کرنے آئے تو بعض حاسدوں نے اونسے کہا کہ "خواجہ غلام عباس آپکو پورا غلہ نہیں دیتے اور آپ ایسے غافل ہیں کہ کچھ خبر نہیں لیتے - حالانکہ اونکے کھیت میں کافی پیداوار ہوتی ہے" سید صاحب نے والد مرحوم سے کہا "جناب خواجہ صاحب! کئی سال سے ہمکو زمین کی آمدنی بہت کم وصول ہوتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ آپ کے ہاں بہت کچھ پیداوار ہوتی ہے" والد مرحوم نے کہا "آج آپ میرے ساتھ کھیت میں چلیں آپکو اصل حال معلوم ہوجائیگا" سید صاحب کھیت پر پہونچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ کھیت کے متصل جدید نہر جاری ہے - نہر کے چوے سے تمام رقبہ خراب ہوگیا ہے - کھیت کی تمام زمین سیلی اور مرطوب ہورہی ہے - جابجا نہر کا پانی زمین ددس کر باہر نکل آیا ہے - کھیت میں بجائے اناج کے سرکنڈا اور پٹیرا اُگا ہوا ہے" والد مرحوم نے کہا "سید صاحب آپنے کھیت کی حالت دیکھی - اب بھی آپ کو اطمینان ہوا یا نہیں" سید صاحب نے شرمندہ ہوکر کہا "ماموں جی! (والد مرحوم کو عموماً اسی لفظ سے مخاطب کرتے تھے) مجھے اس حالت کی کیا خبر تھی میں تو سال بھر میں ایک دفعہ غلہ وصول کرنے کے لئے آتا ہوں - آپ ہی کے بھائی بندوں نے مجھکو شبہ دلوادیا تھا - اب میرا قصور معاف فرمائیے -

سنہ ۱۸۹۰ع کے بندوبست میں غلطی سے مرہتن مذکور کا نام سرکاری کاغذات سے خارج ہوگیا تھا - مگر والد مرحوم بدستور زمین کی آمدنی اُنکو دیتے رہتے تھے - مرہتن کو والد مرحوم سے بدظن کرنے کیلئے بعض بداندیشوں کو یہ موقع خوب ہاتھ آگیا - اُنھوں نے سید شبیر حسین وارث مرہتن سے کہا "واہ واہ سید صاحب! آپ کس غفلت کی نیند سوتے ہیں خواجہ غلام عباس نے آپکا نام خارج کرادیا - آپکے پانسو روپیہ آئے گئے ہوگئے" چونکہ یہ بات بظاہر دلکو لگتی ہوئی تھی - سید شبیر حسین کو شک ہوگیا اور وہ قبالہ لیکر والد مرحوم کے پاس آئے اور کہا "ماموں جی! سرکاری کاغذات میں سے ہمارا نام خارج ہوگیا - ہمارے پاس قبالہ موجود ہے - یا تو روپیہ ادا کردیجیے یا ہمارا نام دوبارہ درج کرادیجیے" والد مرحوم نے کہا "لاؤ قبالہ دکھاؤ" اونھوں نے قبالہ والد مرحوم کے ہاتھ میں دیدیا - اُس وقت سید شبیر حسین اور والد مرحوم کے سوا اور کوئی شخص موجود نہ تھا - قبالہ لیکر والد مرحوم نے کہا "سید صاحب! سرکار سے آپکا نام کٹ ہی چکا - قبالہ بھی آپ نے میرے حوالہ کردیا گواہ کوئی آپکا

کا ہے نہیں۔ بتائیے اب آپ کیا دعویٰ کرسکتے ہیں۔ یہ سنکر سید شبیر حسین نے کہا ہم کوئی دعویٰ
نہیں کرسکتے۔" اسکے بعد والد مرحوم نے کاغذ واپس دیکر فرمایا "ہاں مگر خدا تو عالم الغیب ہے۔ اُسکے
آگے ایک روز ہم کو جانا ہے۔" اسکے بعد یہ کہا "بھائی روپیہ میرے پاس نہیں ہے۔ مگر آپ کا نام
درج کرائے دیتا ہوں۔" چنانچہ اُسیوقت سید شبیر حسین کو پٹواری کے مکان پر لیگئے۔ اور کاغذات
سرکاری میں درج کرادیا کہ "مجھے مبلغ صمار بابت رہن زمین ادا کرنے ہیں۔ غلطی سے مرتہن کا نام
سرکاری کاغذات سے خارج ہوگیا ہے دوبارہ درج کیا جائے۔

جب یہ معاملہ طے ہوگیا تو والد مرحوم نے سید شبیر حسین سے کہا "سید صاحب! اب تو
آپکو کوئی شبہ باقی نہیں رہا کہ میں نے آپکا نام خارج نہیں کرایا تھا۔" بیچارے سید صاحب شرمندہ ہوکر
کہنے لگے "ماموں جی! میں تو آپکا بچہ ہوں۔ میرا قصور معاف کیجئے۔ آپ ہی کے بھائی بندوں نے
مجھے بہکادیا تھا۔" والد مرحوم فرماتے تھے کہ میں نے سولہ سال کے بعد شبیر حسین کا نام سرکاری کاغذات
میں درج کرایا تھا اس عرصہ تک کسی مرتہن کا نام رجسٹر میں درج نہ تھا۔

رمضان خانصاحب خانساماں ریاست کے ساتھ معاملہ

اسی طرح ہماری ایک اور زمین مبلغ [illegible] کے عوض میں رمضان خان
صاحب خانساماں ریاست نابھا کے پاس رہن تھی۔ یہ زمین بھی نہر کیوجہ
سے ناقص ہوگئی تھی اور سالہا سال تک مرتہن کو بہت کم غلہ وصول ہوتا تھا
بعض بداندیشوں نے اونکو بھی اُکسانا چاہا اور ہمدردی کے پیرایہ میں یہ کہا "خاں صاحب!
آپکو کچھ غلہ وصول نہیں ہوتا۔ آپ بذریعہ عدالت اپنا روپیہ کیوں نہیں وصول کرلیتے۔" خانصاحب
ایک سن رسیدہ تجربہ کار اور مردم شناس آدمی ہیں۔ وہ والد مرحوم کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اُنھوں
نے جواب دیا "کیا تم لوگ خواجہ غلام عباس صاحب کو اپنے جیسا بے ایمان سمجھتے ہو۔ مجھے تو اُنپر
پورا بھروسا ہے۔ راستی۔ دیانت اور جوانمردی میں اُنسے بڑھکر میں کسی کو نہیں دیکھتا۔ مگر جب
زمین میں پیداوار ہی نہ ہو تو کیا میں ان سے ڈنڈ لوں؟ میرا روپیہ بالکل محفوظ ہے۔ اگر بالفرض
خواجہ غلام عباس روپیہ ادا نہ کرسکے تو خدا کے فضل سے اُنکے تین لائق بیٹے ادا کرنے والے موجود
ہیں میں آپ لوگوں کی بات نہیں مانتا۔" رمضان خانصاحب والد مرحوم کے اُن خالص دوستوں
اور سچے مداحوں میں سے ہیں جو اسوقت تک زندہ وسلامت موجود ہیں۔

قرضوں کا والد مرحوم کی زندگی میں ادا ہو جانا

اس موقع پر اس امر کا جتا دینا بھی ضروری ہی کہ یہ سب بڑے بڑے قرضے والد مرحوم کی زندگی میں ادا ہو چکے تھے۔ جسکی وجہ سے وہ بہت خوش تھے۔ اور خدا کا شکر ادا کیا کرتے تھے کہ اُسنے اس بار سے سبک دوش کیا۔ اُن کی مدت کی دعائیں جو نہایت ہی خلوص اور خشوع کے ساتھ نماز پنجگانہ کے بعد ادائے قرضہ کیلئے مانگا کرتے تھے خدا نے قبول کیں۔

بعض مقدمات کا مجمل حال اور والد مرحوم کا صبر و استقلال

خود غرضی اور مردم آزاری انسانیت سے بعید ہیں

دنیا میں بہت سے آدمی خود غرضی میں ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ دوسروں کے دُکھ درد کی مطلق پروا نہیں کرتے اخلاقی اعتبار سے ایسے لوگوں کو آدمی نہیں کہنا چاہیئے۔ ؎

تو کز محنت دیگراں بے غمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

ان سے بھی بد تر وہ ننگ بنی آدم ہیں جو اپنے بھائیوں کو تکلیف پہونچانے میں نہ صرف بیباک ہوتے ہیں اپنی مردم آزاری کی حرکتوں کو قابل فخر سمجھتے ہیں۔

قوم کے بعض لوگوں نے والد مرحوم کو خاصکر پچھلے چند سال میں مقدمات وغیرہ کے ذریعہ سے تکلیف پہونچانے میں اپنے نزدیک کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ کبھی شہر کے کسی بدمعاش کو انغوا کرکے والد مرحوم کے خلاف عرضی دلادی۔ اور در پردہ ہر طرح اُسکے حامی و مددگار رہے۔ کبھی خود کھلم کھلا مخالفت پر آمادہ ہوگئے۔ اور عدالت میں کوئی مقدمہ دائر کردیا تاکہ مقدمہ کی جوابدہی اور پیروی میں اُنکو تکلیف ہو۔ کبھی اسقدر تنگ کیا کہ خود اُنکو برخلاف اپنی طبیعت کے عدالت سے چارہ جوئی کرنے کی ضرورت پڑی۔

دنیاوی مصائب اور انکا فائدہ

خاصانِ الٰہی کو اہل دنیا کے ہاتھوں ہمیشہ تکلیفیں پہونچتی رہی ہیں۔ والد مرحوم ایک نیک انسان تھے اور ہمیشہ اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ اسلیئے ممکن نہ تھا کہ وہ اُن دنیاوی مصائب سے جو مومن کے گناہوں کا کفارہ اور

اسکے علوے درجات کا موجب ہیں۔ محفوظ رہتے۔ جس طرح سونے کو آگ میں تپانے سے اسکا
کھراپن ظاہر ہو جاتا ہی۔ اسی طرح دنیا کی مصیبتیں بمنزلہ اس آگ کے ہیں جن سے ایک نیک انسان کا
کھراپن صاف صاف کھل جاتا ہی۔ والد مرحوم کی طبیعت کے وہ جوہر جو پہلے چھپے ہوئے تھے
اب نمایاں ہو گئے۔ دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ۔ عفو۔ حلم۔ رحم دلی۔ ہمدردی اور مصائب میں
صبر و استقلال وغیرہ صفتیں جنکے ظاہر ہونے کا اسوقت تک کوئی خاص موقع نہ ملا تھا۔ اب سب
لوگوں نے روز روشن کی طرح اونکو بچشم خود دیکھ لیا۔

یہ امر زیادہ تر تعجب خیز ہے کہ والد مرحوم کو یہ صدمے زیادہ تر ان ہی لوگوں کی طرف سے پہونچے
تھے جو نہ صرف اُن کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ بلکہ اونکے ساتھ والد مرحوم کے خاص تعلقات تھے۔ اور
وہ ہمیشہ اونکے ساتھ مثل اپنے بچوں کے محبت اور ہمدردی رکھتے تھے ؎

گر دہم شرح ستم ہائے عزیزاں غالب ۔۔۔ رسم امید ہمانا زجہاں برخیزد ؎

بعض مقدمات کی مختصر کیفیت

یہ مقدمے جو پچھلے چار پانچ سال کے اندر پیش آئے اونکی مختصر کیفیت یہ ہی
کہ ۱۸۷۶ء میں والد مرحوم نے اپنی بہن کی شراکت میں ایک افتادہ قطعہ
زمین خرید کر اسپر مکان بنا لیا تھا۔ مدعیان نے شریک ثانی کی غلطی سے فائدہ اٹھا کر اسکے حصہ کی
زمین بذریعہ شفعہ عدالت سے حاصل کر لی اس کامیابی نے اُنکا حوصلہ بڑھایا۔ اور اُنھوں نے
والد مرحوم کے پاس پیغام بھیجا کہ جس زمین پر آپنے مکان بنایا ہی وہ شفعہ میں ہماری پہونچتی ہے۔ آپ
اس زمین سے دست بردار ہو جائیں ورنہ بذریعہ عدالت آپکو بے دخل کرا دینگے۔" والد مرحوم
نے جواب دیا کہ "میں اس زمین کو خرید چکا ہوں۔ بائع کی باضابطہ رسید موجود ہی اسی وجہ سے میں نے
زر کثیر لگا کر اسپر مکان بنایا ہی" مگر مدعیوں نے ایک نہ سنی اور نالش دائر کر دی۔ مدعی کئی بھائی تھے
اُنھوں نے مختلف حیثیتوں سے دعوے کیے۔ یہ مقدمے کئی سال تک چلتے رہی۔ اور ہر ایک مقدمہ میں
سے طرح طرح کی شاخیں نکلتی رہیں۔

والد مرحوم نے وقتاً فوقتاً نہایت عاجزی اور نرمی کے ساتھ فریق ثانی سے باہمی فیصلہ کی خواہش
کی۔ مگر فریق ثانی کی ضد کے آگے اُنکی ایک پیش نہ گئی۔ مقدمہ کے عدالت میں جانے کے بعد بھی اُنھوں نے
بہت کوشش کی کہ کسی طرح پنچ مقرر ہو جائیں۔ مگر مخالفوں نے شہر کے تمام آدمیوں پر اپنے اطمینانی

ظاہر کرکے یہ جواب دیا کہ اگر پنچوں سے فیصلہ کرایا جائے تو عدالتیں کس غرض سے ہیں ہم تو عدالت ہی سے ڈگری لیں گے۔

شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی جناب سید فیاض حسین صاحب پنشنر انسپکٹر پولیس اور خواجہ تصدق حسین صاحب بی۔اے۔ میر منشی گورنمنٹ پنجاب جیسے معزز اور سربرآوردہ بزرگوں نے خالصًا لوجہ اللہ۔ کئی گھنٹے تک مدعیوں کو باہمی فیصلہ کے لئے سمجھایا اور یہاں تک کہا کہ خواجہ غلام عباس صاحب نقصان کے ساتھ بھی فیصلہ کر لینے پر آمادہ ہیں اس باہمی فیصلہ میں آپ ہی کا فائدہ ہے۔ مگر ان صاحبوں کا کہنا بالکل بے اثر ثابت ہوا۔ اور انکو ایسا جواب دیا گیا جسے سنکر صاحبان ایمان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ اور اہل دل کے دل ہل جائیں۔ یعنے یہ کہا، جناب آپ اس معاملہ میں اسقدر کیوں اصرار کرتے ہیں ہمکو تو مقدموں سے ایسی دلچسپی ہو گئی ہے کہ اگر ہم دس مرتبہ بھی مر کر پیدا ہوں تو بھی مقدموں سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ ہم مقدمات میں جھوٹ بولنا یا جھوٹے گواہ بنانا جائز سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں خواجہ غلام عباس جیسے شخص کو جسنے آجتک کسی سے نیچا نہیں دیکھا نیچا دکھانا مقصود ہے صاحبان موصوف نے دیکھا کہ مدعیوں کی حالت اصلاح کے درجہ سے گذر گئی ہے۔ اور جوں جوں صلح پر اصرار کیا جاتا ہے انکا انکار بڑھتا جاتا ہے۔ اسلئے ناخوش ہو کر واپس چلے آئے۔ ؎

آہنے را کہ مورخانہ بخورد ۔۔۔ نتواں برد ازو بصیقل زنگ

با سیہ دل چہ سود گفتن وعظ ۔۔۔ نرود میخ آہنیں در سنگ

آخر کار فریق ثانی کو ایک فوجداری مقدمہ میں (جو والد مرحوم نے زیر دفعہ تعزیرات ہند دائر کیا تھا اور جسکی کیفیت پہلے قلمبند ہو چکی ہے) اپنے سزایاب ہو جانے کا پورا یقین ہو گیا تو اُسکو مجبور ہو کر فوجداری مقدمہ میں والد مرحوم سے معافی مانگنی اور دیوانی مقدمات میں پنچ مقرر کرنا پڑا۔ پنڈت بسنت لال صاحب بی۔اے وکیل کرنال جو ایک راست باز اور انصاف پسند آدمی ہیں فریقین کی طرف سے پنچ مقرر ہوئے۔ فریق ثانی نے طرح طرح سے اُنپر زور ڈالا کہ اونکو ڈگری دیدی جائے۔ مگر پنڈت ممدوح کو موقع پر تحقیقات کرنیکے بعد امر حق واضح ہو گیا تھا۔ اسلئے اُنھوں نے اپنے کانشنس (قوت ممیزہ حق و باطل) کے خلاف انصاف کا خون کرنا گوارا نہ کیا اور مدعیاں کے

دعوے کو خارج کرکے والد مرحوم کو ڈگری دیدی - فریق ثانی نے چیف کورٹ لاہور میں اس فیصلہ کی نگرانی کرائی - مگر وہاں سے بھی صاف جواب ملا - والد مرحوم کی عاجزی اور راستی بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوئی اور فریق ثانی کے تکبر نے اُسکو نیچا دکھایا ؎

اے قطرۂ منی سر بیچارگی بنہ کابلیس را غرور منی خاکسار کرد

ان مقدمات کے دوران میں جنکا سلسلہ کئی سال تک جاری رہا - بہت سے ایسے واقعات پیش آئے جنسے والد مرحوم کی راستی - دیانت - صبر و تحمل - عفو - حلم - عالی حوصلگی وغیرہ صفتوں کو کھلم کھلا سب لوگوں نے دیکھ لیا - انہیں سے بعض واقعات پہلے قلمبند ہو چکے ہیں یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ نہ صرف ان مقدموں میں بلکہ جملہ مقدمات میں جو کبھی والد مرحوم کے خلاف کسی عدالت میں دائر کئے گئے - ہمیشہ کامیاب رہے یا فریق مخالف کے علانیہ معافی مانگنے اور عدالت پر امر حق ظاہر ہو جانے کے بعد انھوں نے اُسکو معاف کر دیا - اور فی الحقیقت یہ بھی اُنکی کامیابی ہی تھی -

مرض الموت انتقال اور وصیت وغیرہ کا حال

مرض الموت کا آغاز اور طاقت کا بتدریج زوال

انھیں پریشانیوں کے باعث پچھلے چند سال سے والد مرحوم کی صحت اچھی نہیں رہتی تھی - جوں جوں صدمے بڑھتے گئے پژمردہ اور افسردہ ہوتے گئے - بعض اوقات تنہائی میں راقم سے (جسکو زیادہ تر اُنکی خدمت میں حاضر رہنے کی عزت حاصل تھی) فرمایا کرتے تھے "غلام الحسنین! میں نہیں جانتا میرے مخالف مجھ سے کیوں ناخوش ہیں - مجھ میں کونسا عیب ہے جو سب مجھے ترک کر دینا چاہئیے میں یہ جواب دیتا کہ وہ کہ جو عیب اہل دنیا میں پائے جاتے ہیں - خدا کے فضل سے ایسا کوئی عیب تو آپ میں ہے نہیں شہر کے تمام آدمی ہندو مسلمان آپ سے خوش اور آپکے مداح ہیں - صرف چند گنتی کے آدمی - اور وہ بھی آپ کے اقارب اپنی ذاتی اغراض یا حسد کی وجہ سے آپکے مخالف ہیں تو اسکا کچھ مضائقہ نہیں -

والد مرحوم کے انتقال سے کوئی پانچ مہینے پہلے اُنکے ایک رشتہ دار نے ایک سرکاری عہدہ دار کے سامنے اونکو بعض ناگفتنی الفاظ کہے تھے - والد مرحوم نے نہایت تحمل سے اُنکو برداشت کیا اور بجائے انتقام کے درگذر سے کام لیا - حالانکہ اگر وہ چاہتے تو بدزبانی کا جواب ہاتھ سے دیسکتے تھے

کیونکہ فحش یا ناشایستہ کلمات اُنکی زبان سے کبھی نہیں نکلتے تھے۔بعض لوگوں نے صلاح دی کہ آپ عدالت کے ذریعہ سے چارہ جوئی کرکے زیردفعہ ۵۰۰ تعزیرات ہند مجرم کو سزا دلا سکتے ہیں۔کیونکہ ایک معزز سرکاری عہدہ دار آپ کا گواہ ہے۔مگر اُنھوں نے کہا میں اس معاملہ کو خدا پر چھوڑتا ہوں۔ والد مرحوم کی طبیعت تو پہلے ہی سے کمزور ہو رہی تھی۔اس ضبط نفس کی وجہ سے انکو بخار آنے لگا۔اور برابر پانچ مہینے تک آیا اور وہی آخر کار موت کا باعث ہوا

علاج اور مرض کی کیفیت

یونانی اور ڈاکٹری علاج میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا دوران علاج میں وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ فائدہ محسوس ہوا۔مگر معلوم ہوتا ہے کہ بخار نے جڑ پکڑلی تھی۔ساتھ ہی پیچش۔کھانسی۔اور ورم کی شکایت پیدا ہوگئی۔جس سے وہ روز بروز مضمحل ہوتے گئے۔مگر اُن کے قویٰ ایسے زبردست تھے کہ ہمکو آخر وقت تک اُنکی صحت یاب ہونے کی توقع تھی۔

خواجہ غلام عباس اور خواجہ اظہر علی کے حالات انتقال

تندرستی کے زمانہ میں کبھی کبھی اپنے والد مرحوم (خواجہ اظہر علی مرحوم) کا ذکر کیا کرتے کہ جب وہ بیمار ہوتے اپنی زندگی سے مایوس نہیں ہوتے تھے۔مگر ایک دفعہ جب وہ پاخانہ کی چوکی پر گئے اور ضعف کی وجہ سے اُٹھا نہ گیا تو مجھ سے کہا "غلام عباس! اب زیست کی توقع نہ رکھو یہی ضعف میرے لیے پیام اجل ہے اور چند ہی روز بعد اُن کا انتقال ہوگیا والد مرحوم اکثر کہا کرتے تھے کہ ہمارے خاندان کے لوگ یوں ہی باتیں کرتے کرتے تمام ہوجاتے ہیں۔تم لوگ میری جرأت و ہمت پر نہ جانا۔ایک روز میں بھی اسی طرح تمام ہوجاؤں گا۔

بعینہ یہی حالت والد مرحوم کی ہوئی۔زمانہ مرض الموت میں اکثر چلتے پھرتے رہتے تھے۔بلکہ اسی مرض میں کئی مرتبہ گاڑی میں بیٹھکر کھیت پر بھی گئے۔مگر مرنے سے کوئی دو ہفتہ پہلے پاخانہ کی چوکی پر گئے تو ضعف کی وجہ سے غشی کی حالت طاری ہوگئی اور اُٹھا نہ گیا۔راقم نے بمشکل سے اُٹھاکر پلنگ پر لٹایا۔اُسوقت سے روز بروز نڈھال ہوتے گئے

معلوم ہوتا ہے کہ اس بیماری میں والد مرحوم اپنی زندگی سے مایوس ہوگئے تھے۔مگر ہمارے سامنے کوئی ایسا کلمہ زبان سے نہیں نکالتے تھے۔جس سے ہمارا دل تنگ ہو۔اگر کوئی ایسی بات

زبان سے نکل جاتی اور میں کہتا "بابا! آپ تو خدا کے فضل سے بالکل تندرست ہو جائیں گے۔ آپکا بخار ٹلا اور ہفتہ عشرہ میں آپ بالکل تندرست ہوئے"۔ تو ہماری تسلی کے لیئے فرماتے "ہاں۔ میں جانتا ہوں بیماری کیسی ہی سخت ہو موت کا یقین نہیں ہو سکتا اور صحت کیسی ہی عمدہ ہو زندگی کا بھروسا نہیں ہوسکتا"۔

بیماری میں قرآن مجید کا سننا

قرآن مجید سے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اُنکو خاص دلچسپی تھی۔ بیماری کے زمانہ میں بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے قرآن پڑھکر سناؤ۔ کوئی شخص مزاج پرسی کے لیئے آتا تو اُس سے بھی یہی فرمایش کرتے۔ چنانچہ اُنکی حکم کی تعمیل کیجاتی قرآن مجید نہایت خاموشی کے ساتھ سنتے اور اُسکے مطالب پر غور کرتے۔

تبدیل مکان

مرنے سے چار پانچ روز پہلے یہ فرمایا کہ مجھے قدیم آبائی مکان میں لیچلو۔ اس مکان میں دھوپ کم اور سردی زیادہ ہے۔ وہاں دھوپ کافی ہے۔ چنانچہ اس ارشاد کی فوراً تعمیل کی گئی جو لوگ پلنگ اُٹھا کر اس مکان میں لائے تھے۔ اُنکو ہاتھ کے اشارہ سے سلام کر کے رخصت کیا کیونکہ بولنے کی طاقت نہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنکی خواہش یہ تھی کہ میرا دم والدہ کے قدیمی مکان میں نکلے۔ اس مکان میں آنے کے بعد طبیعت زیادہ تر خراب ہو گئی۔ مگر ہم نے یہ سمجھا کہ نقل وحرکت کی وجہ سے یہ بات ہے۔

انتقال کے روز کا حال

انتقال سے ایک روز پہلے بعض عزیزوں کے مشورہ سے برادر خواجہ غلام الثقلین نے ڈاکٹر امراؤ راجہ لال صاحب کو کرنال سے طلب کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے دیر تک ملاحظہ کر کے اطمینان ظاہر کیا والد مرحوم نے کہا ڈاکٹر صاحب آپ مجھے پہچانتے ہیں اُنھوں نے کہا "کیوں نہیں پہچانتا۔ آپ بفضلہ تندرست ہو جائیں گے۔ کچھ فکر نہ کریں۔ غرضکہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ایک آدمی کرنال بھیجا گیا اور وہ دوا کی آٹھ خوراکیں لیکر دوسری ریل سے واپس آیا۔ دو خوراکیں رات کو دی گئیں اور دوا اگلے روز دن میں۔

اِس روز والد مرحوم کی طبیعت نسبتہً بہت بہتر معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ اُنھوں نے حجامت بنوائی۔ ناخون کترواے۔ ہاتھ پاؤں دُھلوائے۔ اور کپڑے بدلے اس روز بات چیت سے بھی ہوشیاری پائی جاتی تھی۔ غذا بہت دنوں سے برائے نام رہگئی تھی۔ یخنی یا کسی رقیق شے کے سوا کوئی چیز کھا نہیں سکتے تھے۔ مگر اُس روز کسی چیز کی طرف بالکل رغبت نہ تھی۔ میں نے بار بار اصرار کر کے شام کے قریب

یخنی اور دوا پلائی - جسکو اُنہوں نے صرف میری خاطر سے بیٹھکر پی لیا - کیونکہ اونکو مطلق خواہش نہ تھی اور دانہ پانی دنیا سے اُٹھ چکا تھا -

کیفیت احتضار - مرنے سے کوئی آدھ گھنٹہ پہلے سہارے سے چوکی پر گئے - جب پیشاب کر چکے اور میں چوکی سے اُٹھا کر اُنکو پلنگ پر لٹانے لگا - تو اُنکی نظر اپنے پاؤں کی طرف پڑی جو ورم کی وجہ سے بھاری ہو گیا تھا - اور حرکت نہیں کر سکتا تھا فرمایا "اوہو! پاؤں پر کسقدر ورم ہو گیا ہے" میں نے عرض کیا "بابا! کچھ اندیشہ نہیں ہے آج تو آپکی طبیعت بہت بہتر ہے - انشاء اللہ عنقریب آرام ہو جائیگا - مگر اُنکو اپنے بچنے کی توقع نہ تھی - اُسوقت اُن کی زبان سے بے ساختہ یہ نکلا "میں مرنے سے نہیں ڈرتا - مگر رستہ بن دیکھا ہے" اگرچہ اس جملے نے میرے دل کو نہایت صدمہ پہونچایا تاہم مجھے اُنکی طرف سے مایوسی نہ تھی - میں یہی سمجھتا تھا کہ آج حالت بہتر ہے روز بروز آرام ہوتا جائیگا - مگر وہ اٹل وقت جس کی بابت خدائے تعالی فرماتا ہے"

اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ - سورہ یونس - آیت ۴۹	جب اُن کا وقت آ پہونچتا ہے تو وہ نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں"

آ پہونچا تھا - میں تو گھر سے باہر آیا - تھوڑی ہی دیر میں انتقال کی خبر سن لی - اسی آخری وقت میں برادر خواجہ غلام الثقلین موجود تھے اور چند دیگر اقارب اُنکا بیان ہے کہ والد مرحوم پر نزع کے آثار بالکل ظاہر نہیں ہوئے - نہ کسی قسم کا کرب ہوا نہ اضطراب - صرف تین لمبی لمبی سانسیں آئیں - اور گلے میں خرخراہٹ کی آواز سنائی دی - ہمنے جانا شاید بلغم گلے میں اٹک گیا ہے - اسکے بعد آواز فی الفور بند ہو گئی اور دم آخر ہو گیا - کسی کو موت کا یقین نہ آیا - اسلیئے دو حکیموں کو بلا کر نبض دکھائی گئی - دونوں نے کہا کہ روح مفارقت کر چکی اب کچھ باقی نہیں -

انتقال اور تجہیز و تکفین وغیرہ کا حال والد مرحوم نے ۸ - جنوری سنہ ۱۹۰۶ع مطابق ۱۲ - ذیقعدہ سنہ ۱۳۲۳ھ کو بروز دوشنبہ شام کے ساڑھے پانچ بجے کے قریب تخمیناً چونسٹھ سال کی عمر میں اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا - اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ - (رِضًا بِقَضَائِهٖ وَتَسْلِيْمًا لِاَمْرِهٖ) اُسوقت ہم لوگوں کی جو حالت تھی - زبان قلم کو کہاں تاب ہے کہ شمہ بھی بیان کر سکے - خاندان کے سرپرست کا دفعتًہ اپنی اولاد

اور عزیزوں کے سر سے اُٹھ جانا کچھ ایسا صدمہ جانکاہ ہے جسکا اندازہ وہی لوگ بخوبی کر سکتے ہیں
جو اس مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں خاصکر وہ سرپرست جس نے اپنی نیک مثال سے اپنے متعلقین
کے دل میں نیکی کا بیج بویا ہو۔ جس نے اونکو تمام عمر دینداری پر قائم رکھنے کی کوشش کی ہو۔
ایسے سرپرست۔ ایسے مربی۔ ایسے باپ کا صدمہ ایسا نہیں ہے جو دل سے محو ہو جائے۔ افسوس ہے
کہ ہم سے اونکی کچھ خدمت نہ ہوئی۔ بلکہ تمام عمر اُنھوں نے ہماری خدمت کی۔ اب ہم بجز دعائے خیر کے
اُن کے حق میں اور کیا کر سکتے ہیں؟ شب کو بوجہ سخت سردی کے دفن کا انتظام نہیں کیا گیا تمام
شب عزیز و اقارب نے تلاوت قرآن مجید میں بسر کی۔ اگلے روز ۹۔ جنوری ۱۹۰۶ء کو راقم نے
جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبرستان امیر مودود لاری میں اُس جگہ جہاں والد مرحوم کے والدین مدفون
ہیں۔ سپرد خاک کیا گیا۔ شہر کے دو محلوں میں انتقال کی اطلاع دفن کے بعد ہوئی۔ تا ہم جنازہ کے
ساتھ شہر کے معزز اور سربرآوردہ لوگوں کا غیر معمولی ہجوم تھا۔ والد مرحوم نہایت قوی الجثہ تھے
مگر پانچ مہینے کی متواتر علالت میں اُنکا جسم اسقدر مضمحل ہو گیا تھا۔ جسوقت جنازہ قبر کے قریب رکھا گیا تو
یہ معلوم ہوتا تھا کہ پلنگ کے اوپر چادر پڑی ہوئی ہے اور چادر کے نیچے جسم نہیں ہے زمانہ علالت میں ایکدفعہ کسی عزیز
نے حال دریافت کیا تو والد مرحوم نے آستین چڑھا کر اپنا بازو دکھایا جسکے یہ معنے تھے کہ اب میری یہ حالت ہو گئی ہے

وصیت وغیرہ کا حال

والد مرحوم نے مرض الموت میں کوئی وصیت نہیں کی۔ البتہ انتقال سے
چندروز پیشتر جبکہ نشست و برخاست کی طاقت زائل ہو گئی اور بیہوشی کی
حالت میں نمازیں قضا ہو جاتی تھیں۔ تو ہوشیاری کے وقت اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ میری اسقدر
نمازیں قضا ہو گئی ہیں اُنکو لکھ لو۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ میرے بعد یہ نمازیں ادا کردی جائیں۔
چنانچہ میں نے ان نمازوں کو (جن کے سوا مدت العمر میں اُن کی نماز قضا نہیں ہوئی) والد مرحوم
کے انتقال کے بعد ادا کر دیا ہے۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کے گزشتہ ماہ رمضان کے روزوں کے
سوا کبھی اونکے روزے بھی قضا نہیں ہوئے۔ ان روزوں کے فوت ہونے پر سخت افسوس کرتے
اور یہ فرماتے تھے۔ اگر ماہ رمضان سے پہلے میں بیمار رہوتا تھا۔ تو روزوں کی برکت سے
تندرست ہو جاتا تھا۔ یہ سال آیا ہے کہ مجھ میں روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے شاید یہ میرا
آخری ماہ رمضان ہے ؎

برادر خواجہ غلام الثقلین کو یہ وصیت کی کہ "تم زکوٰۃ باقاعدہ ادا کیا کرو۔ اگرچہ تم مقررہ مقدار سے زیادہ بھی ادا کر دیتے ہو۔ مگر منشائے آلہی کی پوری تعمیل اُسی وقت ہو سکتی ہے جب زکواۃ کی رقم معین کر کے مستحقین کو پہونچائی جائے" برادر موصوف نے خوشی سے اس بات کو منظور کیا ان باتوں کے سوا (یعنے اپنی قضا نمازوں کا لکھوا دنیا۔ اور باقاعدہ زکواۃ دینے کی ہدایت کرنا کوئی وصیت کسی دنیاوی معاملہ کے متعلق والد مرحوم نے نہیں کی۔ اوران دونوں باتوں کو بھی وصیت کے طور پر نہیں بلکہ عام ہدایت کے طور پر جیسے کہ اُنکی عادت تھی۔ بیان کیا تھا اونکو اطمینان تھا کہ دنیاوی معاملات (تقسیم جائداد۔ ادائے قرضہ وغیرہ) کی بابت اُنکی اولاد میں باہمی نزاع ہرگز نہ ہوگا۔ اُنکو یقین تھا کہ اُنکی اولاد حقوق العباد کے ادا کرنے سے غافل نہیں رہیگی۔ یہی وجہ ہے کہ اُنھوں نے کوئی دنیاوی وصیت نہیں کی۔

وصیت کا بیان ختم کرنے سے پہلے اس ضمن میں ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے۔ والد مرحوم کو دینداری کی طرف جو قدرتی رغبت تھی اُسی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ انتقال سے کچھ تقریباً دو سال پہلے اُنھوں نے مجھسے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ ایک مجلس وعظ قائم کی جائے جس میں قرآن مجید کے حقائق و معارف بیان کئے جائیں۔ تاکہ قوم کے نوعمر بچے جو دینیات سے محض ناآشنا ہیں قرآنی اخلاق اور آداب کے پابند ہوں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ادا کرنے میں مستعدی ظاہر کریں اور سچے مسلمان اور پکے مومن بنیں۔ اور مجھسے ارشاد فرمایا کہ "تم اس قسم کے وعظوں کا سلسلہ جاری کر دو" یہ وہ زمانہ ہے کہ میں حکیم ہربرٹ سپنسر کی کتاب ایجوکیشن کا اُردو ترجمہ کر رہا تھا۔ اگرچہ میں اس اہم کام کے انجام دینے کی لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ تاہم ترجمہ سے فارغ ہونے کے بعد والد مرحوم کے ارشاد کی تعمیل ضروری سمجھکر متوکلاً علی اللہ میں نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا۔ چند مجالس وعظ خاص ہمارے مکان پر اور چند عزاخانہ محلہ انصار (موسوم بہ امام باڑہ کلاں) میں منعقد ہوئیں۔ مجالس محرم الحرام میں بھی حسب منشائے والد مرحوم میں اسی طرز کو ملحوظ رکھتا ہوں۔ آج کل لوگ پُرانے طریقہ وعظ سے جس میں عموماً ادھر اُدھر کے بے سر و پا قصہ کہانیوں کے سوا کام کی باتیں بہت ہی کم ہوتی ہیں۔ اُکتا گئے ہیں۔ اور اُنکی طبیعتیں اس امر کی جویا ہیں کہ قرآن مجید اور

احادیث صحیحہ کے مطالب کو معقول اور مدلل طور پر بیان کیا جائے۔ مجالس میلاد شریف اور مجالس عزا میں بھی لوگ ان ہی باتوں کو ڈھونڈھتے ہیں۔ پانی پت کے علاوہ مجھے جالندھر۔ ہوشیار پور۔ اور لاہور میں بھی ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں وعظ بیان کرنے کا اتفاق ہوا ہے اور میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ایسے وعظوں کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے والد مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے دینیات میں اعلیٰ درجہ کی بصیرت عطا فرمائی تھی۔ وہ اس ضرورت کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اس سلسلہ وعظ کے جاری کرنے کی وجہ سے والد مرحوم اس عاجز کو ہمیشہ دعائے خیر سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ اور میرا ارادہ ہے کہ اس سلسلہ وعظ کو اُن کی یادگار میں قائم رکھا جائے۔

خاتمہ

انسان خطا و نسیان سے خالی نہیں ہوتا

انساں میں جہاں خوبیاں ہوتی وہاں عیب بھی ہوتے ہیں کوئی انسان خطا و نسیان سے خالی نہیں ہوتا والد مرحوم کی خصلت میں صرف یہی ایک کمزوری تھی کہ اُنکا مزاج فطرۃً غصیلا اور تند واقع ہوا تھا۔

مگر ان کا غصہ ہمیشہ حق بجانب ہوتا تھا اور اکثر لغو اور جھوٹی باتوں ہی پر غصہ آتا تھا جسے بہت کچھ ضبط کرتے تھے۔ چنانچہ سخت غصہ کی حالت میں بھی کبھی کوئی فحش یا ناشایستہ کلمہ اُنکی زبان پر نہیں آتا تھا۔ بعض اوقات تھوڑے قصور پر اُنکو بہت غصہ آجاتا تھا۔ اور اگر۔ اُنکی طبیعت کو زیادہ اشتعال دلایا جاتا تھا تو قصوروار کو ہاتھ سے بھی سزا دے بیٹھتے تھے۔ مگر یہ صورت شاذ و نادر پیش آتی تھی اور وہ بھی صرف اُسی وقت جبکہ کوئی شخص فحش یا ناشایستہ کلام زبان پر لاتا تھا۔ یہ نقص بتقاضائے بشریت تھا۔

والد مرحوم کا اپنی خطا پر نادم ہونا۔ اور اسکے متعلق بعض واقعات

انسان کی خوبی اسی بات میں ہے کہ وہ اپنی خطا پر اصرار نہ کرے۔ بلکہ فوراً اُس کی تلافی کے لیے آمادہ ہو جائے والد مرحوم سے جب کوئی خطا ہو جاتی تھی۔ تو وہ خدا تعالیٰ کی جناب میں صدق دل سے توبہ و استغفار کرتے تھے اور کسی شخص پر زیادتی ہو جاتی تھی تو اُس سے معذرت کر کے اپنا قصور بھی معاف کرا لیتے تھے۔

ایک عزیز کو والد مرحوم کی طرف سے کچھ رنج ہو گیا تھا وہ اونکو برا بھلا کہا کرتے تھے والد مرحوم کی زبان سے بھی سخت لفظ نکل جاتے تھے جسکا اونکو سخت افسوس ہوتا تھا اور اس فکر میں تھے کہ موقع ملے تو اپنے قصور کی تلافی کریں - ایک روز اونکے مکان پر پہونچکر اُنکے پاؤں پکڑ لیئے اور یہ کہا "آپ عنداللہ میرا قصور معاف کردیں - اور جب تک اُنھوں نے معاف نہ کیا اونکے قدم نہ چھوڑے اور وہاں سے نہ ہٹے -

ایک دفعہ والد مرحوم شب برات کے روز بازار میں جا رہے تھے - ایک لڑکا آتشبازی چھوڑ رہا تھا - آگ کا پتنگا اُڑکر اُنکے کپڑوں میں آپڑا - اور کپڑوں میں آگ لگ گئی - اُنھوں نے لڑکے کو تادیبًا ایک دو تھپڑ لگائے - اسکے بعد فورًا خیال آیا کہ اس لڑکے نے جان بوجھکر ایسا نہیں کیا تھا - میں نے ناحق اُسکو مارا - الغرض والد مرحوم نے اُس بچے کو جو غالبًا کسی غریب آدمی کا لڑکا تھا - پیار کیا اور کئی آنے پیسے اُسکو دیئے - جسکی وجہ سے وہ اپنی تکلیف بھول گیا اور بہت خوش ہوا -

رعایا کے لوگوں کے ساتھ بھی والد مرحوم کا برتاؤ اسی قسم کا تھا - اگر کسی شخص پر خفا ہوتے تھے تو احسان اور نیک سلوک سے اُسکی تلافی ضرور کردیتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ والد مرحوم کو اپنا شفیق اور مربی سمجھتے تھے اور اون کے غصہ کو خیرخواہی اور ہمدردی پر محمول کرلیتے تھے نہ کہ عداوت اور سخت گیری پر -

ایک دفعہ پانی پت کے اسٹیشن پر شام کے قریب عورتوں اور بچوں کو میرٹھ لے جانے کے لئے ریل میں سوار کرا رہے تھے - ایک شخص کھڑکی کے قریب آکر چاہتا تھا کہ زنانہ درجہ میں سوار ہوجائے - والد مرحوم نے اوسکو دھمکا کر ہاتھ سے پرے ہٹادیا وہ شخص گرتے گرتے بچا اور کہنے لگا "بابا میں تو اندھا ہوں - مجھے کیوں ستاتے ہو" یہ سنکر والد مرحوم کا دل بھر آیا - اُنھوں نے اُس سے معذرت کی اور یہ کہا - بھائی مجھ سے قصور ہوا مجھے معلوم نہ تھا کہ تو اندھا ہے - میرا قصور عنداللہ معاف کر" اور جب اُسنے قصور معاف کردیا اُسوقت اُن کا اطمینان ہوا -

پانی پت میں ایک دیوانی عورت ادھر اُدھر پھرتی رہتی ہے ایک دفعہ جبکہ والد مرحوم

اپنے کھیت کو جارہے تھے۔ اُسنے اُنکا منھ چڑھانا۔ اُنگلیاں نچانا اور اسی قسم کی حرکتیں کرنی شروع کیں۔ والد مرحوم کو سخت غصہ آیا اور اُنھوں نے اوسکو دو تھپڑ لگا دئے۔ معاملہ رفت و گذشت ہوا اسکے بعد وہ بیمار پڑ گئے۔ اور مرنے سے چند روز پہلے اُس عورت کو بلا کر کچھ کھانا کھلایا۔ اسکے بعد فرمایا "میں نے ایک دفعہ تجھے دو تھپڑ مارے تھے۔ میرا قصور معاف کر دے۔" اُسنے قصور معاف کر دیا۔ اور چند آدمیوں سے فخریہ یہ واقعہ بیان کیا کہ "میاں غلام عباس نے مجھ سے اپنا قصور معاف کرا لیا تھا۔"

والد مرحوم کی خصلت میں کس قسم کی کمزوری تھی

ان واقعات سے اس امر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ والد مرحوم میں خصلت کی جو کمزوری تھی وہ بتقضائے بشریت تھی۔ جس سے کوئی نیک آدمی بھی خالی نہیں ہوتا۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا داروں یا دنیا طلبوں میں جس قسم کے عیب دیکھے جاتے ہیں ایسا کوئی عیب اون کی ذات میں موجود نہ تھا حسد۔ بغض۔ کینہ۔ عداوت۔ جھوٹ فریب۔ دغا بازی۔ ریاکاری۔ مردم آزاری۔ وغیرہ صفات قبیحہ سے وہ بفضلہ تعالیٰ بری تھے۔ وہ ایک راست باز۔ پرہیزگار۔ اور کھرے آدمی تھے۔

صاف باطنی۔

والد مرحوم کسی شخص سے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتے تھے خواہ وہ اُنکا کیسا ہی مخالف ہو۔ انتقال سے سوا سال پیشتر کا ذکر ہے کہ ایک عزیز نے جو والد مرحوم کے بیٹوں سے بھی عمر میں کم ہیں۔ اُن سے کہا۔ "جناب میری ایک عرض ہے اگر آپ اجازت دیں تو بیان کروں"۔ والد مرحوم نے اجازت دی تو اُنھوں نے کہا "ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ کینہ نہیں رکھنا چاہیئے۔ فلاں شخص کے ساتھ عرصۂ دراز سے آپکی بول چال نہیں ہے۔" والد مرحوم نے جواب دیا "عزیز من میرے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہیں ہے۔ میں نے چند مرتبہ اُنسے مصالحت کے لیے سبقت کی مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ میں تو سچی صلح کا ہمیشہ خواہاں رہتا ہوں۔ اگر تم اُن سے صلح کرا دو تو میں تمھارا بہت ممنون ہوں گا۔ عزیز موصوف کا بیان ہے کہ میں نے مدید کے روز کوشش کر کے صلح کرا دی۔ مگر چند روز کے بعد میں نے دیکھا کہ اُن صاحب کی بدزبانی کی وجہ سے خواجہ

غلام عباس صاحب نے مجبور ہو کر اُن سے گفتگو ترک کر دی۔

مومن خالص کا ایک خاص معیار

اللہ تعالی مومنین کو ہدایت فرماتا ہے۔
فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي (تم اُن لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو)
دوسری جگہ اُنکی تعریف ان لفظوں مین کی گئی ہے لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ (وہ امر حق میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے) ایک اور موقع پر اُن کی شان میں ارشاد ہوا ہے۔ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (وہ لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں) اگر اس معیار پر والد مرحوم کے چال چلن کو پرکھا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ یقیناً مومن خالص اور خدا کے نیک بندے تھے۔کسی امر حق کی تائید میں۔یا لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرنے اور بدی سے باز رکھنے میں اُنھوں نے کسی انسان کا خوف نہیں کیا۔صرف خدا کا خوف ہر وقت اُنکے دل پر غالب رہتا تھا۔اور یہی خوف تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔والد مرحوم کی طبیعت میں یہ اوصاف ایسے نمایاں تھے۔کہ ایک اجنبی آدمی بھی جسکو اُن کے عادات واطوار سے پوری واقفیت حاصل کرنے کا موقع نہ ملا ہو صرف چند روز کی ملاقات میں اُنکے اوصاف کو بخوبی مشاہدہ کر سکتا تھا۔

دنیا کی کسی شے کو فنا ہوتے یا بگڑتے دیر نہیں لگتی

اللہ اکبر۔کیا خدا کی شان ہے۔دنیا کی ہر ایک شے۔جمادات۔نباتات۔حیوانات۔اور انسان کو اپنا پورا نشوونما حاصل کرنے اور اپنے حد کمال تک پہونچنے کے لیے اعلی قدر مراتب ایک عرصہ دراز درکار ہوتا ہے۔مگر اُس کو فنا ہوتے یا بگڑتے کچھ بھی دیر نہیں لگتی ؎

روزہا باید کہ تا یک مشتِ پشم از پشت میش
زاہدے را خرقہ گردد یا خمارے را رسن
ماہہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ ز آب و گل
شاہدے را حُلّہ گردد یا شہیدے را کفن
سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب
لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن

قرنہا باید کہ تا یک نطفہ از صلب در رحم
صفدرے آرد بمیداں یا عروسے اندر چمن
عمرہا باید کہ تا طفلے بچندیں جد و جہد
عالمے دانا شود یا شاعرے شیریں سخن
دورہا باید کہ تا یک مرد صاحب دل شود
بایزید اندر خراساں یا اُویس اندر قرن

والد مرحوم کے خصائل پر ایک سرسری نظر

دنیا خدا کے نیک بندوں سے کبھی خالی نہیں رہتی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسے آدمی۔ جو والد مرحوم کے مانند مجموعی صفات رکھتے ہوں کہ زیادہ نہیں ہوتے۔ اور زمانہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو پیدا نہیں کرتا۔ واقعات گذشتہ کے ملاحظہ سے یہ نتیجہ صاف طور پر نکلتا ہے کہ خواجہ غلام عباس صاحب کے انتقال نے پانی پت سے ایک ایسے شخص کو گم کردیا۔ جسکی خوبیاں ابنائے زمانہ میں بہت کم نظر آتی ہیں۔

عزیزوں کا ہمدرد۔ قوم کا خادم۔ نوع انسان کا ہواخواہ۔ غربا کا پشت و پناہ ضعیفوں کا مددگار۔ مساکین کا دستگیر۔ یتیموں اور بیواؤں کا سرپرست۔ مسافروں کا میزبان۔ دوستوں کا حامی۔ مخالفوں کا محسن۔ دیانت و امانت کا عمدہ نمونہ۔ راست بازی اور پارسائی کی اعلیٰ مثال۔ لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرنے والا۔ بُری باتوں سے روکنے والا۔ اکل حلال اور صدق مقال میں فخر اقران و امثال۔ جس کی زبان پر ذکر الٰہی جاری رہتا تھا جس کے تمام دینی اور دنیوی کام خالصاً لوجہ اللہ ہوتے تھے جس کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ادا کرنے کا ہر وقت خیال رہتا تھا جو باوجود اعلےٰ درجہ کی شجاعت اور جواں مردی کے نہایت منکسر المزاج تھا۔ جس کا دل دوست و دشمن کی مصیبت پر دُکھتا اور کڑھتا تھا۔ جس نے اپنی

دشمنوں کو بھی دعائے خیر سے یاد کیا - جس نے اپنی زندگی میں عفو مع القدرت متعدد مثالوں سے ضبط نفس اور تحمل کا بے مثل ثبوت دیا - جس نے امر حق میں ضعیفوں کی امداد سے کبھی پہلو تہی نہیں کی - جس نے خلاف حق امر میں کبھی کسی شخص کا ساتھ نہیں دیا - جس نے اپنے قصور کا اعتراف کرنے میں تامل نہیں کیا - جس نے ادنےٰ سے ادنےٰ حیثیت کے آدمی سے بھی اپنی خطا معاف کرانے میں جھوٹی شرم نہیں کی -

یہ وہ صفتیں ہیں جو بہیئت مجموعی خدا کے پرہیزگار بندوں کے سوا دوسرے لوگوں میں نہیں پائی جاتیں - یہی وہ صفتیں ہیں - جنکی وجہ سے باشندگان پانی پت کو عموماً اُن کی موت کا سخت افسوس ہے -

ان ہی صفتوں کی وجہ سے آج مخالف بھی اونکے ثناخواں ہیں اور اُن کی موت کو ایک قومی صدمہ سمجھتے ہیں - والد مرحوم کے انتقال کے دن اکثر آدمیوں نے اس بات کو بچشم خود دیکھا کہ جو لوگ اُن کی زندگی میں اپنی ذاتی اغراض یا کسی اور وجہ سے اُن سے گفتگو کرنی بھی گوارا نہیں کرتے تھے وہ بھی اون کی خوبیوں کو یاد کر کے رو رہے تھے -

یاد داری کہ وقت زادن تو   ہمہ خنداں بُدند تو گریاں -
آنچناں زی کہ وقت مردن تو   ہمہ گریاں بُوند و تو خنداں -

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِوَالِدِیْ وَارْحَمْہُ وَاحْشُرْہُ مَعَ مَنْ کَانَ یَتَوَلَّاہُ مِنَ الْاَئِمَّۃِ الطَّاھِرِیْنَ بِالنَّبِیِّ الْاَمِیْنِ - اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ -

تاریخ انتقال جناب قبلہ و کعبہ خواجہ عباس مرحوم و مغفور

چودھری تصدق حسین خانصاحب رئیس پانی پت نے والد مرحوم کی خبر سن کر اُسی وقت فی البدیہ مادۂ تاریخ

"جناں جائے غلام عباس"

نکالا تھا۔ جسکو شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔ اس سے بلا تعمیہ و تخرجہ ۱۳۳۳ھ نکلتا ہے۔ چودھری صاحب موصوف نے اس مادہ کو ایک شعر میں اس طرح نظم کیا ہے۔ ؎

زہاتف سال مرگ او چو پرسید "جناں جائے غلام عباس بشنید"
۱۳۳۳ء

غلام الحسنین

خاتمہ - موت ایسی حقیقت ہے جو ہر وقت ہمارے درمیان ہے۔ مگر اوس سے بہت کم لوگ واقف ہیں اور دنیاوی کاروبار میں اوس کا اثر بہت کم نظر آتا ہے۔ عام طور پر لوگ اُس کے خیال سے گریزاں ہیں۔ میرے والد مرحوم موت کا بہت ذکر اور خیال کیا کرتے تھے موت اور پھر ایسے عزیز کی موت جنکی وقعت اور محبت اون کی فطرتی رشتہ سے بھی اور ذاتی صفات سے بھی خود ہم کو اُسوقت معلوم ہوئی۔ جب وہ اس زندگی کو چھوڑ چکے ایک ایسا صدمہ تھا جس نے دل کو ایسا ہلا دیا ہے جیسا سخت آندھی کے بعد کمزور درخت ہل جاتے ہیں۔ کوئی خالی وقت اور کوئی صبح (جو مرحوم کے اُٹھنے اور ہمکو نماز کے اُٹھانے کا وقت تھا) اونکے خیال سے اور رقت سے سوتے جاگتے خالی نہیں۔ مگر یہ باتیں عام دلچسپی کی نہیں ہیں۔ اونکا ذکر کرنا فضول ہے۔ البتہ اسوقت حسب فرمایش برادر معظم میں بھی بمشکل تمام تبرکاً چند سطور لکھتا ہوں۔ چند جملے جو قبلہ گاہی مرحوم کے مجھکو یاد ہیں درج کرتا ہوں۔

(۱) اپنے سے امیر سے ملنے میں لوگ عزت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ عزت غریبوں سے ملنے میں ہے"

(۲) جو لوگ ظاہر میں نرم و خلیق ہوتے ہیں معاملہ میں نہایت سخت ہوتے ہیں"

(۳) ساری دعاؤں میں **ایمان کی سلامتی اور عاقبت بخیر** کی دعا مجھکو سب سے زیادہ پسند ہے"

(۴) لوگ اسی طرح رہتے ہیں گویا کبھی مرنا اور خدا کے سامنے جانا نہیں ہے۔

(۵) میرے مرنے کے بعد لوگ مجھکو یاد کریں گے (اب دوست اور دشمن کی رقت اور تاسف سے اسکی تصدیق ہوتی ہے) غلام الثقلین

قیمت سالانہ مع محصول ڈاک عہ

عصر جدید

یہ ایک ماہانہ رسالہ تین جزو پر سوا تین برس سے شایع ہوتا ہی اسکا مقصد یہ کہ مسلمان
بیکار اور فضول بحثوں میں پڑنے کی جگہ کام کی باتوں پر متوجہ ہوں۔
فضول خرچی۔ کاہلی۔ بیکاری کو ترک کریں۔ پیشہ ور گداگری کو روکیں۔ محنت
اور کام اور جائز ذرایع معاش کی طرف آمادہ ہوں۔ تعلیم مغربی سے بجائے فضول
تقالید اہل فرنگ کے اتفاق و محنت کا سبق لیں۔ مذہب کا صحیح خیال اور خوف خدا
لوگونکے دلوں میں پیدا ہو۔ شادی غمی کی فضولیات اور قرض لینے کا مرض دور ہو۔
اسکے آنریری ایڈیٹر خواجہ غلام الثقلین بی اے۔ ایل ایل بی۔ وکیل ہائی کورٹ
سکرٹری اصلاح تمدن (سابق چیف جج ریاست مالیر کوٹلہ) ہیں۔ اور اس رسالہ
نے مسلمانونکو بیدار کیا ہے۔

اطلاع ضروری! خریداران کتب کو!!

(۱) ہمارے دفتر سے لکھنؤ کی ہر قسم کی دینی و دنیوی۔ اردو۔ فارسی۔ عربی کتابیں
طلب ہوسکتی ہیں۔ بذریعہ ویلیو پیبل بھیجی جاویں گی۔ یا قیمت وصول ہونے پر
بذریعہ ریل یا ڈاک کے۔

(۲) نصف کمیشن خریدارونکو دیجاویگی۔ یعنے بازاری قیمت میں جو تخفیف ہوگی اُسمیں
سے نصف خریداروں کا حق ہوگا۔ معاملہ صاف ہوگا۔

(۳) مولانا حالی کی کل تصانیف اور عصر جدید کی خاص کتابیں بھی ملسکتی ہیں۔

المشتہر

منیجر عصر جدید۔ گولا گنج لکھنؤ۔ کوٹھی خواجہ غلام الثقلین صاحب وکیل ہائیکورٹ